دارالعلوم دیوبند کا علمی دینی و اصلاحی

ماہنامہ

دارالعلوم

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

سید محمد ازہر شاہ قیصر ابن الانور

دیوبند

جلد ۶ — شمارہ ۱

دارالعلوم دیوبند کا دینی علمی ماہنامہ

دارالعلوم

محرم ۱۳۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۳ء

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا الحاج محمد طیب صاحب مدظلہ

(مدیر)

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پندرہ ۱۵ تاریخ کو شائع ہوگا

چندہ سالانہ

ہندوستان و پاکستان سے:- پانچ روپے ۵ روپے

ممالک غیر سے:- ۱۲ شلنگ، فی پرچہ ۸

طابع وناشر

سید محمد ازہر شاہ قیصر یونین پرنٹنگ پریس اردو بازار دہلی

مقام اشاعت دارالعلوم دیوبند

فہرستِ مضامین

...ے تشریف لے گئے تھے

حج مبرور نصیب فرمائیں۔ (بقیہ صـ۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

(سیّد محمدؐ ازہر شاہ قیصر)

رسالہ دارالعلوم میں اس سے پہلے بھی ایک آدھ دفعہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کی تحریک پر مولانا گیلانی مدظلہٗ، قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی کے حالاتِ زندگی قلمبند فرما رہے ہیں۔ احقر اب بڑی خوشی کے ساتھ یہ خبر دیتا ہے کہ مولانا گیلانی اس دینی اور تاریخی خدمت سے فراغت پا چکے ہیں۔ دارالعلوم کے ادارہ نشرواشاعت نے اس کتاب کو دو ضخیم جلدوں میں شائع کرنے کی ذمّہ داری لے لی ہے اور خُدا نے چاہا تو یہ کتاب مرحلہ کتابت و طباعت سے گذر کر مستقبل قریب میں مُطالعہ کرنے والوں کے دیدۂ حقیقت نگر کے لئے نُور افزا ہوگی۔

مُناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صاحب تاریخ یعنی حضرت نانوتوی کے متعلق چند حرف عرض کئے جائیں تاکہ خواص و عوام کو اِس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ عام طور پر بڑی شخصیتوں کی زندگی کی چند نمایاں خصوصیات عوام و خواص کی پہچان میں آتی ہیں، یہی خصوصیات ان حضرات کے لئے وسیلۂ تعارف و مقبولیت بنتی ہیں اور تاریخ میں ہمیشہ ان شخصیتوں کے متعلق انہی خصوصیات کا ذکر بار بار ہوتا رہتا ہے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اب تک ایک عالم، مقرّر، واعظ، مناظر، اپنے وقت کے ایک ممتاز صاحب باطن اور بانی دارالعلوم کی حیثیت سے پہچانا گیا ہے یہ سچ ہے کہ یہ تمام خصوصیات مولانا نانوتوی کی ذات بابرکات میں جمع تھیں۔ علم کے بے پناہ تبحر، تقریر کی حیرت انگیز قوّت، وعظ گوئی کی خداداد صلاحیت، مناظرہ کی قدرتی استعداد، بزرگی کے نہایت مقدس تصوّر اور دارالعلوم جیسے علمی مرکز کے ... کو اگر متحرک و متشکل کر دیا جائے تو وہ یقیناً مولانا محمدؐ قاسم نانوتوی کی شخصیت ہوگی۔ لیکن احقر نے مولانا نانوتوی کی زندگی اور ان کی حیات مختصر کے حالات و سوانح کے طویل مُطالعہ کے بعد سمجھا کہ مولانا نانوتوی صرف یہی نہیں تھے بلکہ اس سے بھی آگے کچھ اور تھے۔

انگریزی حکومت کے برسر اقتدار آجانے کے بعد مولانا کی انجام بینی اور دور اندیشی نے یہ حقیقت پالی تھی کہ تہذیب و معاشرت، سلطنت اور حکومت زندگی کے ان سب بڑے گوشوں کو ڈھالنے اور بنانے کی ذمّہ داری مذہب کے ذمّہ ہے، مذہب مدنیت و معاشرت، سلطنت و حکومت کا جو تصوّر انسان کو دیتا ہے، اِنسانی دماغ اسی کو عملی جامہ پہناتا، اور اپنی چابک دستی سے اس تصویری خاکے میں عمل کی رُوح ڈال دیتا ہے۔ مولانا نے سمجھا کہ ہندوستان میں محرف اور مسخ شدہ عیسائیت کے برسرِ عروج آجانے پر نہ صرف یہ کہ اسلام حکومتِ وقت کا مذہب نہیں رہا، بلکہ وہ سرکاری مذہب کی بارگاہ میں مطعون و مبغوض کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اب عیسائیت ہی ایوانِ سلطنت کے فانوس میں شمع بنکر چمکے گی اور زندگی کے سارے گوشے، سارے پہلو، سارے اوقات اور سارے حالات لازماً عیسائیت سے متاثر ہوں گے۔ مولانا کے ذہن رسا پر یہ حقیقت کھُل گئی کہ اسلام کے غیر سرکاری مذہب بن جانے کے بعد مُسلمانوں کی تہذیب بھی دم توڑ دے گی۔ علوم اسلامی کی بساط بھی اُٹھا کر پھینک دی جائے گی۔ اسلامی افکار پر بھی مخالفانہ حملے ہوں گے، اور ذہن اسلامی کی بقاء کے لئے اگر ساز و سامان فراہم نہ کئے گئے تو اس زمین شور میں اس کے نخل آرزو کے بار آور ہونے کی کوئی توقع نہیں۔ مولانا نے چند شکستہ تحریروں اور ٹوٹی پھوٹی

جھونپڑیوں پر مشتمل ایک معمولی سا مدرسہ قائم فرمایا، مولٰنا اگر بناء دار العلوم کے وقت فرماتے کہ میں انگریزی حکومت کے تہذیبی اور سیاسی جراثیم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ ایک ادارہ قائم کر رہا ہوں تو یقیناً کوتاہ نظر اور عاقبت نا آشنا لوگ ہنس پڑتے کہ کہاں انگریز کی وہ کشور تازہ دم اور کہاں مسجد چھتہ کی بغل میں کھڑے کئے ہوئے یہ چند خام حجرے، شکستہ جھونپڑیاں، اور ٹوٹی پھوٹی عمارتیں، اور ابھی پوری ایک صدی بھی نہیں گذرنے پائی تھی کہ انگریزی سیاست نے اپنے تمام مکر و فریب، اور اثر و تدبیر کے ساتھ دم توڑ دیا۔ اور دار العلوم اللہ کے فضل و کرم سے آج بھی اپنی اسلامی خصوصیات، حسن کردار اور صالح زندگی کے ساتھ اپنی جگہ قائم ہے گویا سمندر کے سفر میں مسافروں کو ایک ہیبت ناک طوفان کا سامنا ہوا، ناخدا نے جہاز کی حفاظت کے لئے جو سامان جمع کئے تھے وہ بظاہر مضحکہ خیز تھے، مگر اللہ کی مشیت و قدرت نے انہی اسباب کو کارآمد بنا دیا۔ طوفان اپنے زور شور کے ساتھ گذر گیا، اس طرح کہ نہ آج کوئی چھوٹی سی چھوٹی موج نظر آتی ہے اور نہ طوفان کی وہ کف در دہانیاں موجود ہیں، البتہ جہاز صحیح و سالم ہے، اور جہاز کا ہر مسافر اپنی جگہ مطمئن ہے۔

مولٰنا گیلانی نے حضرت نانوتوی کے افسانۂ حیات کا کوئی ٹکڑا کہیں سے لیا۔ کوئی کہیں سے لیا۔ بقول شاعر ؎

کچھ بلبلوں کو یاد ہے، کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

اور ان ٹکڑوں کو جمع کر کے جو داستان مرتب کی ہے وہ صرف مولٰنا نانوتوی کی داستان نہیں بلکہ اس مرد مجاہد اور اولو العزم انسان کی داستان ہے جس کے ہاتھ سے دشمن نے تلوار چھین لی اور جسے قدرت کی مخفی مصلحتوں نے معرکۂ جہاد و قتال سے ہٹا دیا مگر اس نے اپنے دست و بازو کی شکستگی پر اپنا دل نہیں توڑا۔ صرف ایک استاذ اور صرف ایک شاگرد کے نام پر ایک مدرسہ بنا کر قرنوں اور صدیوں تک اپنے دین، اپنی تہذیب، اپنے افکار، اور اپنے علمی اور ذہنی مسلک کو محفوظ کر دیا۔

سیاست کی راہ سے قوموں کے نشو و نما کی بہت سی داستانیں آپ سن چکے ہیں۔ اس کتاب میں آپ کو تعلیم، اور تقویٰ کے ذریعہ ایک تنِ مردہ کو تندرست و توانا بنا دینے کی تاریخ نظر آئے گی۔ پھر یہ بھی معلوم ہوگا کہ مذہب کے نام پر آجکل جتنی تحریکیں اپنی تحریر و تقریر کی غذاؤں سے ہمارے دماغوں کی پرورش کر رہی ہیں، ان میں اور آج سے ایک صدی پہلے کی ایک سچی اسلامی تحریک میں بلحاظ مقصد کتنا بڑا فرق ہے اور باعتبار عمل کتنا عظیم الشان اختلاف ہے۔ اور ایک خالص اسلامی اور معیاری تحریک کی ابتداء، اس کی انتہاء، کام کرنے والوں کا ڈھنگ اور نفسیات کیا کچھ ہوتے ہیں؟ ۔

ہمارے معاونین!

(۱) جناب قاری شریف احمد صاحب صدیقی، کراچی میں رسالہ کے ایک محسن قدیم اور باہمت ہمدرد ہیں جو اپنے گوناگوں مشاغل کے ساتھ رسالہ کی ترقی اور کامیابی کے لئے برابر سعی فرماتے رہتے ہیں۔ قاری صاحب نے حال میں آٹھ قدیم و جدید خریداروں کا چندہ عنایت فرمایا ہے، مدیر موصوف کی توجہات کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۲) جناب قاری نذیر احمد صاحب دیوبندی نے بھاول نگر سے ۵ خریدار عنایت فرمائے ہیں۔ موصوف نے مدیر رسالہ کی درخواست پر رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے عملی قدم اٹھایا ہے، انشاء اللہ ان کی توجہ سے اور خریدار بھی رسالہ کو ملیں گے۔

(۳) محترم بزرگ مولٰنا عبد الباری صاحب نے مدراس سے ۲ دو خریدار رسالہ کے لئے عنایت فرمائے ہیں۔ ممدوح اگر اپنے قیمتی اوقات کا کچھ حصہ رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے صرف فرمائیں تو مدراس سے خریداروں کی ایک بڑی تعداد رسالہ دار العلوم کو مل سکتی ہے۔ مولٰنا عبد الباری صاحب امسال حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے تھے حق تعالیٰ انھیں حج مبرور نصیب فرمائیں۔ (بقیہ صفحہ)

کوائف دارالعلوم دیوبند

جلسۂ انتظامیہ!

مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ کو دارالعلوم میں جلسۂ انتظامیہ ہُوا تھا ہم رسالہ کے پچھلے نمبر میں بعض اور خبروں کی وجہ اس کا ذکر نہیں کر سکے تھے۔ اس اجلاس کی صدارت مولانا حکیم محمد اسحق صاحب کٹھوری نے فرمائی تھی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب، جناب شیخ محمد ضیاء الحق صاحب، حضرت مولانا محمد طیب صاحب، حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب شریک جلسہ تھے۔ اس اجلاس کی خاص تجاویز یہ ہیں:-

(۱) حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری ممبر شوریٰ کی وفات پر قرارداد تعزیت منظور کی گئی۔

(۲) دارالعلوم کو ریاست حیدرآباد و بھوپال سے سالانہ جو امدادی رقم ملتی تھی اس کی مقدار بھی گھٹا دی گئی ہے اور اس کے ساتھ کچھ شرائط کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ مجلس نے ان شرائط کی منظوری سے انکار کیا اور طے کیا کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی؛ ایک وفد کی شکل میں اس مسئلہ پر مولانا ابوالکلام آزاد سے گفتگو فرمائیں۔

(۳) مولانا نصیر احمد خاں صاحب اور مولانا محمد نعیم صاحب مدرسین درجۂ ابتدائی کو حضرت ناظم صاحب شعبۂ تعلیمات کی سفارش پر درجۂ وسطیٰ میں ترقی دی گئی۔

(۴) صاحبزادہ مولوی سیّد اسعد احمد صاحب (ابن حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مدظلہٗ) سال گذشتہ سے اعزازی طور پر درجۂ ابتدائی میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے، ان کا ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا گیا۔

(۵) مولوی سیّد محمد انظر شاہ صاحب کشمیری (ابن حضرت مولانا

(بقیہ "حرفِ آغاز" ص ۲ کالم ۲)

(۴) جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب ریواڑوی نے لاہور سے پانچ جدید خریداروں کا چندہ عنایت فرمایا ہے، مولانا موصوف شروع سے رسالہ کے ساتھ اپنی دلچسپی اور ہمدردی کا اظہار فرماتے رہے ہیں۔ ادارہ ان کی عنایات کے لئے شکر گذار ہے۔

(۵) مولوی صفی اللہ صاحب نے برہمن باڑیہ (ضلع ٹپرہ) سے ایک خریدار عنایت فرمایا ہے۔

(۶) حافظ حیدر علی صاحب نے ڈجکوٹ ضلع لائلپور سے ایک خریدار کی پیشکش کی ہے۔

(۷) جناب حکیم رفعت حسین صاحب فاروقی نے دہرہ دون سے ایک خریدار کا چندہ بھیجا ہے۔

(۸) حضرت مولانا محمد سعید احمد صاحب نے ڈونگر بونگہ سے تین جدید خریدار عنایت فرمائے ہیں۔

(۹) ہمارے محترم مضمون نگار مولانا خالد محمود ایم، اے سیالکوٹ نے (مغربی پنجاب) سے دو خریداروں کا چندہ بھیجا ہے، ہم مولانا موصوف کی عنایات کے شکر گزار ہیں۔

(۱۰) مولوی حافظ احمد اللہ صاحب نے پسرور (ضلع سیالکوٹ) سے ایک خریدار کا چندہ عنایت فرمایا ہے +

ایک غلطی کی تصحیح!:- رسالہ "دارالعلوم" بابت اگست ۵۳ء کے "کوائف دارالعلوم دیوبند" میں جناب حاجی حمید الرحمٰن صاحب سیوڑی ضلع بیر بھوم کی ایک رقم مبلغ ایکہزار کا ذکر کیا گیا تھا، یہاں "حمید الرحمٰن" کے بجائے حاجی عبدالرحمٰن اور "بیر بھوم" کے بجائے "مان بھوم" لکھا گیا، براہ کرم قارئین رسالہ اس غلطی کی تصحیح فرمالیں +

سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا درجۂ ابتدائی کے مدرس کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔

ہمدرد دواخانہ کا عطیہ!

پچھلے پرچہ میں ہم نے اطلاع دی تھی کہ طلباء دارالعلوم کے علاج کے لئے دارالعلوم میں "دارالشفاء" کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ اس شعبہ میں استعمال کے لئے دواؤں کی ضرورت تھی۔ حضرت مہتمم مدظلہ العالی نے اس ضرورت کا اظہار جناب حکیم عبدالحمید صاحب متولی ہمدرد دواخانہ دہلی پر فرمایا۔ اور حکیم صاحب نے اپنی روایتی فیاضی سے کام لیکر ہر سہ ماہی پر ڈھائی سو روپے کی ادویات شعبۂ مذکور کے لئے منظور فرمائیں چنانچہ پہلی سہ ماہی کے لئے دواؤں کا اسٹاک دارالعلوم میں پہونچ گیا ہے، دارالعلوم حکیم صاحب کا شکر گذار ہے۔

امدادی عطیات!

(۱) حاجی محمد دین صاحب از جہلم - پچاس روپے ۵۰

(۲) حافظ علیم الدین صاحب چک ۴۵۲ گ ب ضلع لائل پور - (پینتالیس روپے) ۴۵

(۳) کیپٹن مراتب علی خاں صاحب ڈونگہ بونگہ - پچاس روپے ۵۰

(۴) مولانا قاری محمد اکبر صاحب قاسمی لائل پور، (مختلف اہل خیر کی طرف سے) ایکہزار ایکسو بیس - ۱۱۲۰

(۵) مظہر اینڈ کمپنی - کراچی (پانچ سو روپے) ۵۰۰

(۶) حافظ متین احمد صاحب خلف جناب حاجی رشید احمد صاحب تاجر اسلحہ چاٹگام - پانچسو روپے ۵۰۰

(۷) حاجی سید علی صاحب پورٹ بلیر (ستر روپے) ۷۰

(۸) مسلمانان بہار شریف (پٹنہ) کی طرف سے، مرسلہ ایم سلیمان احمد صاحب (ایک سو اسی) ۱۸۰

(۹) موسی یوسف منتی صاحب کلرکس ڈورپ (ٹرانسوال) جنوبی افریقہ) اپنے والد مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے - دوسو پونڈ ۲۰۰

(۱۰) حاجی اسماعیل صاحب مرحوم ڈوکرات کی طرف سے جناب حاجی محمد منتی صاحب نے نیلسپروٹ، (جنوبی افریقہ) سے بھیجے (تین سو چھیانوے روپے) ۳۹۶

(۱۱) حاجی اکرام الحق صاحب ۹ ہاچر بجن ایونیو، کلکتہ نمبر ۱۳ - (چار سو روپے) ۴۰۰

(۱۲) مولوی عبداللہ صاحب معرفت فتح محمد بزاز، سمبڑیال ضلع سیالکوٹ (ایکسو پچیس روپے) ۱۲۵

(۱۳) جناب داؤد دوست محمد صاحب حاجی بلڈنگ، نل بازار بمبئی نے مندرجہ ذیل اصحاب کی طرف سے مذکورہ کی رقوم بھیجی ہیں:-

علاؤالدین حاجی میاں صاحب، (پانچ سو روپے) ۵۰۰
نور محمد یوسف صاحب، (چار سو روپے) ۴۰۰
غلام رسول ولی محمد صاحب، ۱۵۰

(۱۴) مولانا صالح محمد منگیرا نے وائن برگ، (جنوبی افریقہ) سے سید محمد ازہر شاہ قیصر۔ مدیر رسالہ کی معرفت اپنے احباب کی طرف سے ۵۰ پاؤنڈ کی رقم دارالعلوم کے لئے بھیجی ہے۔ ۵۰ پاؤنڈ

(۱۵) مولانا محمد صاحب انوری، مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام، محلہ سنت پورہ لائل پور نے اپنے بعض احباب کی طرف سے ۶۰۰ چھ سو روپے کی رقم دارالعلوم کے لئے روانہ کی ہے۔

ہمارا پاکستانی پتہ:-

پاکستانی حضرات رسالہ "دارالعلوم" کا چندہ منیجر "ندائے حرم" ۱۴۲ جمشید کوارٹر کراچی ۳ کو روانہ کریں۔ کوپن پر انھیں لکھیں کہ یہ رسالہ دارالعلوم کا چندہ ہے۔

(ناظم)

بارھویں قسط :-

فلسفۂ نعمت و مصیبت

(حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ)

اب اگر آدمی اشیاء کائنات کی تسخیر و تصرف میں عدل و اعتدال اور میانہ روی اختیار کر کے اُن سے درمیانی درجہ کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کائنات کے وجودی جوہر اور آثار و خواص بھی معتدل انداز سے کھلتے ہیں اور معتدل ہی انداز سے اُسے فائدہ پہنچاتے ہیں جو پائیدار اور دیرپا ہوتا ہے، اگر علم و عدل کے بجائے انجام کی جہالت اور بے اعتدالیوں کے ساتھ یہ تصرف عمل میں آتا ہے تو اُس کے افعال کی نوعیت کے مطابق کائنات کے خواص و آثار بھی غیر معتدل انداز میں نمایاں ہوتے ہیں جن سے قسم قسم کے آفات و مصائب کا ظہور ہوتا ہے اور اُن کا ضرر بالآخر پھر انسان ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ گویا یہ بحر و بر کی مصیبت افراد حرکات خود انسان ہی کی غیر معتدل اور مبالغہ آمیز حرکات کا ثمرہ اور دماغ کے غیر معتدل نظریات کی صدائے بازگشت ہوتی ہیں جو انسان سے چل کر اور پورے آفاق سے گذر کر اُسی پر لوٹ آتی ہیں اور اس طرح گویا انسان ہی کی قوۃ علمیہ اور قوۃ عملیہ کا بے جا استعمال اُس کے حق میں آفات و مصائب کے کانٹے بو دیتا ہے۔

راز اس کا یہ ہے کہ قدرتی طور پر انسان کا جیسا انداز فکر ہوتا ہے ویسے ہی اُس میں علمی نظریات بھی قائم ہوتے ہیں۔ پھر اُن سے ویسی ہی صنعتیں اور حرفتیں اور اُسی نوعیت کے حرکات و افعال اور پھر اُن سے اُسی نوعیت کے آثار و نتائج ظہور میں آتے ہیں اگر ان افعال و حرکات میں کائنات کی عام اشیاء بمقدار کثیر اور بطریق مبالغہ ہمہ گیر طریق پر استعمال میں آتی ہیں تو اُن کے نقائص و فسادات اور آفات کا بھی کثیر الانواع اور دور رس ہونا ضروری ہے۔ مثلاً آج کے خالص مادی تمدن میں خاص نظریات و افکار کے ماتحت ایٹم بم (ذراتی بم) کی ایجاد ظاہر ہے کہ انسان کے دماغی فکر کا ایک اثر اور نتیجہ ہے گویا ایٹم بم انسانوں کے دماغ میں سے نکلی ہوئی ایک چیز ہے۔ اگر یہ کوئی ہلاکت ہے تو بلاشبہ یہ تباہی انسانوں کے اندر سے نکل کر باہر آئی ہے۔ پھر اس تباہی میں اگر سینکڑوں معدنیات شامل ہیں تو گویا انسانی دماغ میں سے برآمد شدہ تباہی نے اپنی مدد پر اُن تمام دھاتوں اور معدنیات کو لے لیا جو اس ایجاد میں انسان کے زیر تصرف آئیں اور اس طرح تباہی کا یہ مسالہ انسانی فکر کی ہمہ گیری سے تباہی میں بھی ہمہ گیر ہو کر دماغ سے باہر آیا۔ اب اگر ایٹم بم نے بواسطۂ انسان ایک بلندی سے گر کر آبادی اور ویرانہ، زمین و باغ، حرث و نسل وغیرہ کا ایک وسیع حصہ اور رقبہ برباد کر دیا جس سے انجام کار خود انسان ہی برباد ہوا تو یہ تباہی درحقیقت نظریات کی صورت میں انسان ہی کے دماغ میں سے نکلی اور کتنی ہی معدنیات میں سے گذرتی ہوئی بالآخر پھر انسان ہی پر آپڑی۔ پس جس حد تک ان تصرفات میں بے اعتدالی، مبالغہ آمیزی اور افراط ہوئی اُسی حد تک اُس میں سے آفات و مصائب کا ذخیرہ مبالغہ سے نمایاں ہوا، گویا یہ ساری تباہی عدم العدل سے سرزد ہوئی جو عدمی وصف تھا اور وہ جس جس چیز کو لگتا گیا اُس میں عدمی نسبت قائم ہوتی گئی اور وہ آفات کا مورد بنتی رہی۔ پس مصیبت کا خزانہ درحقیقت وہی عدم ثابت ہوا کہیں عدم العلم کی صورت میں اور کہیں عدم العدل کی صورت میں۔ اور جتنا اُس میں مبالغہ ہوا اُتنا ہی مبالغہ سے مصائب کا ظہور بھی ہوا۔

ایٹم بم کی خاص صورت چھوڑ کر عمومی طور پر بھی یہی اُصول ہر جگہ کارفرما نظر آئے گا کہ اشیاء کائنات میں جتنا اور جیسا تصرف ہوگا اُتنی ہی اور اُسی نوعیت کی اُن کی عدمی آفات بھی کھلیں گی۔ قلیل و معتدل تصرف سے آفات بھی قلیل اور قابل تحمل ہوں گی۔ کثیر اور غیر معتدل تصرف سے آفات بھی کثیر اور ہمہ گیر ہوں گی مثلاً قدیم غیر مشینی بدویانہ یعنی سادہ تمدن میں چونکہ

[illegible] اشیاءِ کائنات سے [illegible] تمدن کا رشتہ باندھے نہ دیئے ہوئے محض رفعِ ضرورت کا درجہ ملحوظ رکھا جاتا تھا جس میں زوائد اور فضولیات کم ہوتی تھیں تو اشیاءِ کائنات میں انسانی تصرفات بھی معتدل انداز سے ہوتے تھے اور اس اعتدالِ تنفّع کے سبب اس تمدن کے سامانوں میں اگر راحت کم یا بقدرِ ضرورت تھی تو مصیبت بھی کم محدود اور بقدرِ تحمل ہوتی تھی۔ لیکن آج کے مشینی تمدن میں جبکہ افراط سے اور مبالغہ سے کام لیکر حدِ ضرورت و اعتدال کو ترک کر دیا گیا اور غیر معتدل تصرفات سے راحت و لذت کے حصول میں مبالغہ و افراط سے کام لیا گیا تو اسی نسبت سے آفاقی مصائب اور انجام کار نفسی مصائب بھی بڑھ گئیں جنہوں نے بالسانوں کو اسی ہمہ گیری سے تباہ کرنا شروع کر دیا جس ہمہ گیری سے انسانوں نے اُن میں تصرفات کئے تھے۔

مثلاً ایک خس پوش خام یا معمولی درجہ کا مکان اگر گر پڑے تو مکان داروں کے بچنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر دس بیس منزل کی سر بفلک بلڈنگ آ پڑے تو مکان دار ہی نہیں آس پاس کے شہر داروں کے بھی بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یا مثلاً مٹی کے ایک دیئے سے کوئی چیز جلنے لگے تو بجھانے کی سبیل بآسانی ممکن ہے۔ لیکن اگر بجلی کا کرنٹ در و دیوار میں پھیل جائے تو زندگیوں کی بقاء کی بھی کوئی صورت نہیں رہتی۔ اگر تیر و تلوار سے میدانِ جنگ میں لوگ ختم ہوتے تھے تو صرف آمنے سامنے کے۔ لیکن مشین گنوں، بموں اور زہریلی گیسوں سے اگر خاتمہ ہوتا ہے تو ایک میدانِ جنگ ہی کا نہیں آس پاس کی بستیاں بھی تباہ و ویران ہو جاتی ہیں۔ اگر غیر مشینی گاڑیوں میں سفر دیر سے طے ہوتا تھا تو ان گاڑیوں کی ٹوٹ پھوٹ یا اُلٹ پلٹ یا ٹکر سے کوئی عام تباہی اور مصیبت نازل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اگر ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ میں سفر جلد طے ہونے کی راحت مخفی ہے تو ان کی معمولی سی ٹکر یا اُلٹ جانے میں جان و مال کا اتلاف بھی بے پناہ چھپا ہوا ہے کہ پل بھر میں ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ آئے دن اخبارات میں آج کے تمدن کی مختلف الانواع راحتوں کے ساتھ مختلف الانواع مصیبتوں کے اعداد و شمار بھی حدِ شمار سے باہر چھپتے رہتے ہیں۔

پھر ان مبالغہ آمیزیوں سے مصائب کی یہ ہمہ گیری نہ صرف انسانوں کی ذوات ہی تک محدود رہ جاتی ہے بلکہ انفس سے گذر کر آفاق تک بھی پھیلتی ہے اور بالآخر اُس کی تباہ کاری پھر انسان ہی کی طرف لوٹ آتی ہے۔

مثلاً آج کے انسانی افکار و تدابیر سے پیدا شدہ مہلک جنگی ایجادات جیسے زہریلی گیس، منتشر بارود، پھٹنے والے بم، ذراتی بم، یا تمدنی ایجادات میں انجن، موٹر، ہوائی جہاز اور دخانی کشتیوں وغیرہ کی لپیٹ میں اولاً تو خود یہ انسان ہی آتا ہے، گویا انسان کی خود اپنی فکری قوتیں ان سامانوں کی صورت میں پہلے تو انسان ہی کے لئے تباہ کن ثابت ہوتی ہیں اور پھر ان سامانوں سے پیدا شدہ اثرات کا شکار پوری کائنات ہوتی ہے اور انجام کار کائنات کی بربادی سے یہ تباہ کن اثرات لوٹ کر پھر انسان ہی کی تباہی کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسے مثلاً غیر معمولی مقدار کے پھٹتے ہوئے بارود یا توپوں یا مشین گنوں اور بموں کا دھواں یا زہریلی گیس کے لگاتار بخارات یا موٹروں اور ہوائی جہازوں کے پٹرول اور انجنوں کے گیس کے پیاسے بخارات وغیرہ جب ہر سمت میں ہر وقت پاک صاف ہوا میں سرایت کرتے رہیں گے تو کیسے ممکن ہے کہ ہوا مکدر نہ ہو اور اُس میں ان نجاست کی سمیت سرایت نہ کرے اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ سمیت آلود ہوا انسانی مزاجوں میں مسموم اثرات پیدا نہ کرے اور انسانوں کی صحتیں بجائے خود صحیح رہ جائیں؟ نیز اُن جانوروں بلکہ پھلوں اور سبزیوں کے مزاج میں بھی پیوست نہ ہو جو بصورت غذا و دوا انسانوں کا جزوِ بدن بنتی ہیں اور اس راستہ سے بھی ہمہ گیر طریق پر انسان کے مزاج میں تھوڑا بہت فساد نہ آئے؟ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مسموم اور خراب ہوائیں بلاواسطہ بھی دنیا میں طرح طرح کے امراض اور وباؤں کے نشو و نما کا ذریعہ بنیں جو انسانوں کے مزاجوں کے اعتدال کو فوت کر کے آخر کار پھر اسی انسان کو قبر کے کنارے جا لگائیں۔ پس یہ مسرفانہ ایجادات یا انسانوں کے بے اعتدال کرتوت کچھ انسانوں کو تو براہِ راست تباہ کرتی ہیں اور کچھ کو بالواسطہ اپنے چھوڑے ہوئے اثرات سے برباد کر دیتی ہیں اور انجام وہی مصائب و آفات کی افراط ہوتا ہے جو اولاً عالمِ نفس سے عالمِ آفاق میں اور پھر عالمِ آفاق سے عالمِ النفس میں انسان کے غیر معتدل تصرفات سے بذریعہ عناصر و موالید پھیلتا ہے اور مادہ پک جانے کے بعد اپنے مقررہ وقت پر باذن اللہ

انسانوں پر آپڑتا ہے جس میں آخر کار انسان ہی تباہ ہوتا ہے۔

اسی طرح مثلاً جبکہ زمین کی کانوں اور خزانوں سے سونا، چاندی، لوہا اور عام معدنیات رانگ، سیسہ، ہڑتال وغیرہ۔ اور تیل، پیٹرول، اور دوسرے سیال مادے غیر معتدل طریقوں سے بافراط اور بے اوقات نکالے جاتے رہیں گے تو موجودہ سائنس کے اصول پر زمین کے ذخیروں میں کمی آتی رہے گی۔ ظاہر ہے کہ اگر ذخائرِ زمین میں یہ کمی مسلسل ہوتی رہے گی تو لامحالہ زمین کے ٹھوس حصوں میں غیر طبعی خلاء اور تخلخل بھی پیدا ہوگا، اور قدرتی طور پر زمین کا وہ ٹھوس پن اور تکاثف یا جماؤ باقی نہ رہے گا جو اب تک تھا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جیسے بدن میں زخم ہو جانے سے جب چھٹن بڑھ جاتی ہے تو طبعی طور پر بدن کا یہ خالی شدہ حصہ بھرنے کی طرف مائل ہوتا ہے ایسے ہی زمین کے ان خالی شدہ متخلخل حصوں کے اجزاء جنھیں انسان اپنی بے اعتدالی سے ایک پھٹا ہوا زخم بنا دیتا ہے جب طبعی انداز میں باہم ملنا چاہتے ہیں تو اس غیر طبعی حرکت سے ممکن ہے کہ زمین کے اس حصہ میں حرکت پیدا ہو جائے اور پھر زمین کے ٹھوس حصے بھی اپنی طبعی تقاضا سے جب اپنے اجزاء کو خالی شدہ حصوں کی طرف منتقل کرنے لگیں تو ان میں بھی تھوڑا بہت خلاء پیدا ہو جائے اور اس خلاء کے سبب اس کے آس پاس کے حصے بھی اپنے اجزاء سے اسے پُر کرنے کی طرف جھک آئیں تو قدرتی طور پر یہ جمی جمائی زمین ان انتقالاتِ اجزاء کی حد تک درجہ بدرجہ حرکت میں آجائے جس کی شکل زلزلہ کی سی ہو جائے۔ چنانچہ ایک ہی زلزلہ کے جھٹکے کہیں شدید اور کہیں خفیف محسوس ہوتے ہیں گویا ایک حصۂ زمین کے زلزلہ کا اثر دوسرے حصۂ زمین تک جا پہنچتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ پوری زمین میں ایک لچک ہے اور وہ لوہے کی مانند کلیۃً ٹھوس نہیں اسی لئے جب وزنی ریل گاڑیاں اپنی لائن پر یا دوسری وزنی اشیاء کسی حصۂ زمین پر چلتی یا گرتی ہیں تو دور دور تک آس پاس کی زمین ہل جاتی اور ہلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ زمین کے ایک متخلخل حصہ کا زلزلہ دوسرے حصۂ زمین کو بھی بقدر قرب استعداد ہلا دے۔ بلکہ اگر ایسا وقت آجائے کہ یہ زمین انسانی تصرفات کے ذریعہ یہ زمین اپنے سارے خزانے اگل دے اور اس کے معدنی اور اندرونی قوتوں کے سارے ذخیرے باہر ہو کر انسان کے استعمال میں آجائیں جس سے زمین کے اندرونی حصے میں ہر طرف خلاء ہی خلاء پیدا ہو جائے تو بہت ممکن ہے کہ پوری زمین کا کوئی اتنا عظیم زلزلہ نمایاں ہو کہ اس سے کوئی خطہ اور کوئی حصۂ زمین مستثنیٰ نہ رہ سکے اور انسان اس کی دہشت و عظمت سے مدہوش اور حواس باختہ ہو کر پوری دنیا ہی کو اور دنیا اسے خیرباد کہنے پر مجبور ہو جائے۔ شاید اسی طرف ان احادیث میں اشارہ ہو جن میں ایک طرف تو انسانوں کی انتہائی بے اعتدالیوں اور ظالمانہ اور جاہلانہ حرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس دور کے انسانوں کو اخلاق میں بہائم سے تشبیہ دی گئی ہے اور شرار الخلق کہا گیا ہے جو جانوروں کی مانند آمنا سامنے زنا کاری اور خباثتوں میں مبتلا ہوں گے۔ اور پھر اس کی خبر دی گئی ہو کہ زمین اپنے خزانے اگل دے گی مال کی فراوانی، اور پیداوار کی حد ہو جائے گی اور اس کے بعد دنیا کے اس عظیم زلزلہ کی خبر بھی دی گئی ہے جو پوری زمین کا زلزلہ ہوگا اور زمین چھلکے کی مانند ہو جائے گی جس میں جماؤ اور قرار نہ رہے گا پوری دنیا ہل جائے گی اور اس طرح اس کے سارے عناصر باہم خلط ملط ہو کر فنا کی ایسی حد پر آجائیں گے کہ یہ حرکت اس ہمہ گیر زخم کو نہ بھر سکے گی بلکہ از سرِ نو اس کی قوتوں کی تجدید کی جائے گی جسکو شریعت کی اصطلاح میں "قیامت" کہتے ہیں۔

بہرحال اس صورت حال سے زلزلوں کے رونما ہونے میں بھی انسانی کرتوت اور بے اعتدالیوں کا کسی حد تک دخل ضرور نکلتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ زلزلوں کا ایک حصہ قدرتی ہو جو بلا واسطہ قدرت الٰہی سے ظہور پذیر ہو اور ایک حصہ انسانی کرتوت کے اثرات کے طور پر نمایاں ہوتا ہو جیسا کہ تمام آفات میں یہی دونوں قسمیں موجود ہیں۔ پھر اسی طرح مثلاً برقی پنکھوں اور مشینوں کے ذریعہ جب ہوا اندازِ طبعی سے زیادہ کھینچی جائے گی مشینی نلوں کے ذریعہ کھیتوں، اور کارخانوں کے لئے پانی کے ذخیرے تدریج کے بجائے بیکدم اور متوسط مقدار کے بجائے بھاری اور غیر معمولی مقدار میں کھینچے جانے لگیں۔ پیداوار کے لئے زمین کو مشینی آلات کے ذریعے سال بھر میں چار چار دفعہ جوتا جانے لگے

(بقیہ بر صفحہ ۲۵ دیکھئے)

گویا زمین کو بتکلف غیر قدرتی پیداوار پر مجبور کیا جائے اور زمین کی جو قوۃ بتدریج ایک سال میں صرف ہوتی وہ تین ماہ میں اکدم حاصل کر لی جائے۔ پھلوں میں کیمسٹری، اور کیمیاوی اُصول پر حجم بڑھانے اور رنگ و صورت لانے کی غیر طبعی صورتیں یعنی قدرتی صورتوں کے بجائے مصنوعی شکلیں اختیار کی جانے لگیں، تاکہ جتنا پھل ایک سال میں حاصل ہوتا وہ تین ماہ میں حاصل ہو جائے، اور اس طرح تجارتی منافع جو سال بھر میں وصول ہوتے تین ہی ماہ میں حاصل ہو جائیں گویا چار سال کا بجٹ ایک ہی سال میں پورا ہو جائے۔ آفتاب کی شعاعوں سے اشیاء میں جو حرارت طبعی طور پر بتدریج سرایت کرتی اُسے آتشی شیشوں اور دوسرے سائنسی آلات سے اکدم جذب کر کے ان اشیاء میں غیر معمولی غیر معتدل اور ظرف سے زیادہ حرارت اکدم سموئی جائے، مشینوں کے ذریعہ لاکھوں ٹن پانی اسٹیم کی صورت سے ہوا میں ملایا جاتا ہے جس سے ہواؤں کا مرطوب ہو جانا اور اُن سے مزاجوں کا مرطوب بنکر بارد امراض قبول کرنے کی استعداد پیدا کر لینا قدرتی ہے۔ معادن میں چھپی ہوئی چیزوں کو مشینوں کے ذریعہ اکدم غیر معمولی انداز سے باہر لا کر استعمال کیا جانا جن کی طبعی خاصیات سردی یا گرمی کا انسانی مزاجوں پر غیر معتدل انداز میں اثر انداز ہونا قدرتی ہے جیسے سڑکوں پر بچھے ہوئے سیمنٹ اور ڈامر اور ربڑ وغیرہ سے طبعاً گرمی اعتدال سے بڑھ جائے اور اُس سے دماغوں میں خفقان، دماغی امراض یا ضعفِ دماغ پیدا ہونے لگے جن کے معالجات کے لئے پھر تبرید اور ٹھنڈک پیدا کرنے والی چیزیں بھی افراط ہی کے ساتھ استعمال میں لائی جائیں جیسے مشینی برف یا ٹھنڈی ہوا پیدا کرنے والی برقی مشینیں جو مکانوں کو ٹھنڈا کر دیں حتی کہ ریلوں میں بھی ائیر کنڈیشن کا رِبن لگایا جانا اور جب ان برودۃ آور سامانوں سے مزاجوں میں برودۃ بھی غیر معتدل اور بافراط راسخ ہو جائے جس کا خمیازہ سردیوں میں بھگتنا پڑے تو پھر مشینوں ہی کے ذریعہ غیر معمولی گرمی حاصل کئے جانے کی ضرورت پڑنے لگے اور برقی مشینوں سے کمروں کو گرم کیا جانے لگے اور مزاجوں کو گرمایا جانے لگے تاکہ برودۃ کی افراط رفع ہو۔ غرض تبرید مفرط سے غیر معمولی حرارت کی سعی اور پھر حرارت مفرط سے غیر معمولی تبرید کی تحصیل انسانی، مزاجوں کو کھلونا بنائے رکھے جس سے ایسے غیر طبعی احوال و امراض انسانوں پر طاری ہوں کہ نہ طب کی کلیات اُن کا پتہ دیں نہ اُس کے معالجات میں اُن کی خصوصی تدبیریں مذکور ہوں۔ چنانچہ فتن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے کہ آخر زمانہ میں جبکہ افراط و تفریط کا دور دورہ ہوگا ایسے نئے نئے امراض نمایاں ہوں گے جو نہ اگلوں نے دیکھے ہونگے نہ پچھلوں نے سُنے ہونگے

بہرحال ان غیر معمولی اور بے اعتدال انتفاعات سے مضرتیں اور مصیبتیں بھی غیر معمولی ہی کھلتی ناگزیر ہوں گی۔ پھر کبھی تو یہ اکدم اُبھری ہوئی قوۃ آفاق و انفس میں اشتعال اور اُبھار پیدا کر کے اُنھیں بھڑکائے گی جس سے آفات معمول سے زیادہ بھڑک اُٹھیں گی اور کبھی اُس کے ردِ عمل کے طور پر اکدم گر کر اور سُست ہو کر انفس و آفاق کو مضمحل اور سُست کر دیگی جس سے اصل طبعی راحتوں کا معیار بھی گر جائے گا اور وہ بھی اک . . . مصیبت ہی ہوگی۔ اور بعد چندے ناگزیر ہوگا کہ اس بے اعتدال چُستی اور سُستی کے لوٹ پھیر سے زمانہ کی آب و ہوا ہی بدل جائے اُس میں تکوینی فسادات رونما ہوں اور اُس کا اعتدال اُس وقت تک کے لئے ختم ہو جائے جبتک کہ ان مادی قوتوں کی تسخیر اور تحصیل ہی میں اعتدال پیدا نہو، اور کوئی اعدل المزاج انسان پیدا ہو کر پھر سے اِن ظلوم و جہول انسانوں کو علم و عدل پر لگائے اور اُن کے مزاجوں اور مزاجوں کے واسطہ سے اخلاق اور اخلاق کے ذریعہ اعمال میں اعتدال نہ قائم کر دے ورنہ ظاہر ہے کہ دُنیا کی کوئی چیز جب افراط کے ساتھ اکدم استعمال کی جائے گی تو قدرتاً اِدھر تو وہ اکدم طوفانی رنگ میں اُمنڈ کر اپنے اثرات نمایاں کرے گی جس سے اجزاءِ عالم کے مزاجوں پر افراط کا اثر پڑے گا اور اُدھر اُس کے ردِ عمل میں جب سُست رفتاری کے ساتھ ان اشیاء کا عمل جاری ہوگا تو

مزاجوں پر تفریط کا اثر پڑے گا اور ساتھ ہی یہ بے اعتدالی سے نکلا ہوا عنصر جب دوسرے عناصر کے ساتھ اکٹھا مخلوط ہوگا تو خود عناصر کے مزاجوں کو ہی بے اعتدال بنا دیگا جس سے نوع بنوع عدمی آفات کا ظہور ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ان ساری بے اعتدالیوں اور اُن سے پیدا شدہ مصائب کو بھگتنا انسان ہی کو پڑیگا جس کی بے اعتدالیوں سے جہان میں یہ بے اعتدالیاں نمایاں ہوئی تھیں اور جو ان خزائن دفائن اور معادن کو خالی کرنے پر ہمہ وقت تُلا ہوا تھا۔

بہرحال موجودہ مشینی تمدن کے یہ نئے نئے اجزاء اگر حدِ اعتدال سے گذرے ہوئے منافع اور بڑی بڑی راحتیں اپنے دامنوں میں پنہاں رکھتے ہیں تو اُسی حد تک آفات و مصائب کا غیر محدود ذخیرہ بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہیں جو انسانوں کی ہمہ گیر تباہی اور اشیاء عالم کی بھی ہمہ گیر بربادی کا باعث ہوتا رہتا ہے جو بلاشبہ محض انسان کی مبالغہ آرائیوں اور اسراف پسندانہ افعال سے نمایاں ہو کر عالم کی تباہی کا باعث ہوتا ہے، گویا انسان کی غیر معتدل حرکت سے ساری کائنات میں بھی غیر معتدل حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور دُنیا کی ہر چیز زیر و زبر ہو کر عالم کی تباہی کا باعث بنجاتی ہے۔ اور پھر یہ آفاقی مضرتیں جو انسانی ہاتھ سے حرکت میں آئی تھیں بالآخر انسان ہی کی طرف لوٹتی ہیں اور کائنات کے اجزاء کا یہ فساد جو انسانی افعال کا مفعول بننے سے اُن میں نمایاں ہوتا ہے جس سے حرارت و برودۃ کے طوفان۔ زمین کے زلزلے۔ فضاء کے انجرات آب و ہوا کی سمیت۔ اُس سے حیوانات و نباتات کے گوشت پوست کی زہر آلودگی اور خرابی پھر عام غذاء و دواء میں غیر معتدل آمیزش سے پیدا شدہ فساد نمایاں ہوتے ہیں۔ بالآخر لوٹ کر پھر انسانوں ہی کے فساد مزاج کا سبب بنتے ہیں جس سے اُن میں امراض۔ افکار۔ غموم و آلام۔ تشویشات اور پریشانیاں لاحق ہو کر انسانوں کو تباہی کی طرف ڈھکیلنے لگتی ہیں اور ان آفاقی مصائب کے بطن سے انفسی مصائب کی اولاد پیدا ہوتی ہے

پس یہ فساد انسان کے ظالمانہ اور جاہلانہ افعال سے چلتا ہے اور کائنات کو روندتا ہوا انسان ہی کے انفسی احوال پر آکر ختم ہوتا ہے اور اس طرح انسان اپنے کو خود اپنے ہی آپ سے برباد کرتا رہتا ہے۔ پس یہ انسانوں کا ظلم ہوتا ہے خدا کی طرف سے معاذ اللہ کوئی تعدی نہیں ہوتی کہ وہ ظلم و تعدی سے پاک اور بری ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ط

"یہ سب کچھ تمہارے اعمال ہی کی بناء پر ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

اسی عالم گیر انسانی فساد کو جو فساد بحر و بر کا ذریعہ بنتا ہے، قرآن نے انسانی کرتوت کا نتیجہ فرمایا ہے خواہ وہ خشکی پر نمایاں ہو یا تری میں:۔

ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون ۔

"لوگوں کے اعمال کی بناء پر خشکی اور تری دونوں میں فساد ہی فساد پھیل گیا تاکہ ان کے اعمال کے بعض حصہ کا مزہ انہیں چکھادے۔ ممکن ہے وہ رجوع کرلیں۔"

بہرحال ان کائناتی مصائب و آفات کو انسانی افعال کا طبعی ثمرہ کہا جائے گا خواہ وہ انفس میں نمایاں ہو یا آفاق میں اور پھر بواسطۂ آفاق دوبارہ لوٹ کر پھر انفس میں سرایت کرے۔

ان آفات و مصائب کا نام انتقام و سزا ہوگا کیونکہ یہ تمام غیر معتدل حرکات انسانی عیوب کی قسم میں سے ہیں جو عدل و اعتدال کے تو خلاف تھیں مگر کسی قانونی امر و نہی کے خلاف نہ تھیں اس لئے اُن پر تکوینی ثمرات تو مرتب ہوئے مگر تشریعی انتقامات سے اُن کا زیادہ تعلق نہیں کہ انھیں شرعی وبال و نکال کہا جائے۔

رہا یہ کہ انسانی بے اعتدالیوں اور عیوب سے انسان پر انفسی اور آفاقی مصائب کس طرح آتی ہیں؟ اور ان عیوب سے ان آفات کا ربط کیا ہے؟ سو جہاں تک ذاتی عیوب سے خود نفس انسانی میں عدمی آفات اُبھرنے کا تعلق ہے کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ان عیوب اور انفسی آفات میں ظاہری اسباب کا

قسط گیارھویں:-

آثار یا اسباب شرح صدر

(حضرت مولانا محمود احمد صاحب نانوتوی)

تیسری صدی اور اس کے بعد بھی بکثرت اور بھی ایسے رجال حق ہیں جن کے پاس تزکیہ اور نفس کشی اور تہذیب اخلاق کے لئے سوائے کتاب و سنت کے اور کوئی چیز نہ تھی بلکہ غیر کتاب و سنت کا داخلہ انکی مملکت اعمال میں ممنوع تھا۔ پھر بھی وہ تدین و تقدس میں مانے ہوئے قطبوں، مداروں، غوثوں سے کہیں سوا نظر آتے ہیں گو آج وہ مروجہ شجرات کے صحائف سے محو اور غیر متلو ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے معالی و محاسن اور مخصوص ایزدی مواہب سے کسی کو انکار ہے بلکہ اسلئے کہ ان کے پاک ملکات کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ اور ارباب طریقت میں کتاب و سنت سے عقیدت کا یہ حال ہے کہ پہلے ہی ان کے یہاں کتاب و سنت کو رسمی ظاہری لقب سے نوازا گیا ہے تو پھر یہ شیفتگان کتاب و سنت ان کی توجہات کے شاہراہ کے کسی حصہ پر چلتے پھرتے کاہے کو نظر آئیں گے۔

امام بخاری جو خود کتاب و سنت کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے نہ معصران میں اسکی نظیر نہ پچھلوں میں اس کا کوئی مثیل کہا گیا ہے علوم حدیث کی جامعیت کے اعتبار سے وہ متقدمین میں بھی فقید المثال ہے سماوی برکتیں، الٰہی رحمتیں اس کے حصہ میں کس قدر آئیں، آج اس کی صحیح بخاری سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قدرت کے ہاتھ مخصوص علم و عمل کے لئے جسکو بنانا چاہتے ہیں اسکی شروع ہی سے نرالی شان اور انوکھے عجائب کے واسطہ سے خلق میں منادی ہو جاتی ہے۔ صغر سنی میں بخاری کی آنکھیں جاتے رہنے پر جب مادر مہربان تڑپ اٹھی اور خدا سے فریاد کی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خواب میں بشارت دیتے ہیں:-

قد رد اللہ علی ابنک بصرہ بکثرۃ بکائک ودعائک۔ "(اے بی بی) تیری دعا اور آہ و زاری کے نتیجہ میں خدا نے تیرے بچہ کو پھر بصارت بخشی"

مجھے تو اس خواب میں بھی ایک سماوی راز جھلکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اس امۃ کے سب اکابر کو چھوڑ کر پانچ ہزار سال پہلے کے نبی کو بشارت کے لئے مخصوص کرنا اور ماں کو خواب میں بتلانا۔ خاتم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خاتم المحدثین کی اتباعی مشابہت اور اقتدائی مناسبت کی خبر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں:-

انا دعوۃ ابی ابراھیم ورؤیاء امی۔ "میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا نتیجہ اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں"

احادیث مصطفویہ کے اس ناصر اور مواریث محمدیہ کے اس ناشر امیر المومنین فی الحدیث بخاری کی آنکھوں کے لئے بھی جو اسی کام کے لئے تھیں انکی ماں کا خواب اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی بشارت اہل ذوق کے لئے ایک وجد آفرین کرشمہ ہے۔ پھر دیکھو گیارہویں سال میں اپنے ایک فاضل استاد داخلی کو اسنادی غلطی پر ٹوکتا ہے اور استاد سب کے سامنے قلم سے گیارہ سالہ لڑکے کے بتلانے کے موافق اپنے مسودات میں تصحیح کرتا ہے۔ اور سولھویں سال میں معرفت تامہ کے ساتھ وکیع اور ابن مبارک کی مصنفات کا حافظ ہو جاتا ہے اٹھارہویں سال صحابہ اور تابعین کے تمام فیصلوں کے قلمبند کرنیکی ندرت کا سہرا اس کے سر ہوتا ہے۔ بلوغ سے پہلے پہلے ستر ہزار

نادر روایات کا حافظ ہو جاتا ہے رسول اکرم علیہ السلام سے عقیدت و محبت اس درجہ راسخ تھی صحیح بخاری جس میں تقریباً ۶ ہزار حدیث ہیں جو ۶ لاکھ حدیث سے منتخب ہیں ۱۶ سال کی شبانہ روز عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ فربری کا بیان ہے کہ ہر ایک حدیث کو تازہ غسل سے دو رکعت ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ پر لکھتے تھے کتاب اللہ سے بھی اسی درجہ شغف دن رات میں ایک قرآن ختم کرنے کا ورد تھا اور شب کو تہجد میں ⅓ قرآن کا معمول اس کے علاوہ تھا اس پرپرہیزگاری اور عفت کی انتہا ہے خود فرماتے ہیں

ارجوان القی اللّٰہ ولا یحاسبنی باغتیاب احد۔

"خدا سے ملاقات کے وقت امید ہے کہ وہ مجھ سے کسی کی غیبت کی باز پرس نہ فرمائے گا"

شدت احتیاط اور غایت خوف و خشیۃ اللہ کی زاہدانہ شان دیکھیے اپنا معمول بتلاتے ہیں:۔

ما اردت ان اتکلم بکلام فیہ ذکر الدنیا الا بدأت بحمد اللّٰہ والثناء علیہ۔

"کبھی ایسے بولنے کا میں نے ارادہ بھی نہیں کیا جس کا تعلق خالص دنیا سے ہو اور ضرورۃً جب بولا تو پہلے اللہ کی حمد و ثناء سے اس کی شروعات کرلی"

اسی لئے بخاری کے دیکھنے والے حفاظ حدیث بالاتفاق کہتے ہیں:۔

ما رائینا منذ ستین سنۃ افقہ ولا اورع ولا ازھد فی الدنیا من محمد بن اسمٰعیل۔

"ساٹھ سال سے ہم نے بخاری سے زیادہ کسی کو پرہیزگار نہیں دیکھا" یعنی محمد بن اسمٰعیل کو۔

سلف میں صوفیاء کرام

بلاشک و شبہ متاخرین صوفیاء میں سلف کے مسخ شدہ اور محرف حالات نے وحی کی جگہ لے رکھی ہے۔ جہاں تک تحقیق کا دائرہ ہے اس میں فقہاء محدثین صوفیاء اور مشاہیر کے احوال ملتے جلتے نظر آتے ہیں۔ تصوف کی دنیا میں جنید بغدادی (م ۲۹۸ھ) کا وہی مرتبہ ہے جو فقہ میں ائمہ اربعہ کا یا فلسفہ میں فارابی سینا کا جنید وغیرہ کے صحیح احوال و مقالات میں کٹر سے کٹر محدث و فقیہ کو کوئی الجھن محسوس نہ ہوگی اور کیوں ہو وہ یا تو مسجد کے مصلے پر دکھائی دیتے ہیں تو اس سے زیادہ مسند افتاء پر ان کا جلوہ نظر آتا ہے۔ شب میں تہجد و نوافل اگر ان کا معمول ہے تو شب ہی میں دینیات کے مطالعہ میں ان کا دائمی انہماک بھی مروی ہے۔ سبحان اللہ کا بکثرت بلکہ ہر دم ورد زبان مریدین بیان کرتے ہیں تو ان کی عمر کا بڑا حصہ محدث حسن بن عرفہ سے اخذ روایۃ میں گزرتا ہے اور پھر علی بن ہارون اور ابوبکر محمد بن احمد المفید وغیرہ تلامیذ کے حلقہ میں بشغل تحدیث بھی وہ بے اوٹ نظر آرہے ہیں۔ اسی لئے حافظ جعفر الخلدی جنید کے مخصوص رفیق کہتے ہیں

اذا رأیت علمہ رجحۃ علی حالہ واذا رأیت حالہ رجحۃ علی علمہ کان وردہ فی کل یوم ثلثمائۃ رکعۃ۔

"جب جنید کے علم پر نظر پڑتی ہے تو ان کے حال پر علم کا غلبہ نظر آتا ہو اور جب ان کے حال کا تجسس کیا جائے تو پھر علم پر حال کا غلبہ محسوس ہوتا ہے۔ روزانہ تین سو رکعت کا ان کا معمول تھا"

ابوبکر العطار جنید کی موت کے وقت پاس ہی موجود تھے، کہتے ہیں "بیٹھے ہوئے وہ نوافل میں مشغول تھے اسی حالت میں روح قبض ہوگئی" درحقیقت جنید کتاب و سنت ہی سے جنید ہوگئے اسی کے اثرات سے ہے جو حاضر معتقدین کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کرتے تھے:۔

الطریق الی اللّٰہ عزوجل مسدود الا علی المقتفین آثار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کما قال اللّٰہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ الخ۔

"خدا کی طرف کا راستہ بند ہے مگر انھیں کے لئے کھلا ہوا ہے جو سنت رسول کے پیرو ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ الخ"

ایکبار ابو عمرو الزجاجی نے جنیدؒ سے محبت خدا کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے بتایا۔ خدا کی محبت کا صحیح نشان یہ ہے "اللہ نے جو باتیں پسند کی ہیں وہ محب کو پسند ہوں اور جن باتوں کو وہ اسکو ناپسند ہوں"۔ اب رہ کیا گیا پوری شریعت اس میں آگئی۔ ایک سچا عالم دین مذہبی دعوت اور دینی تبلیغ میں جتنا زور لگا سکتا ہے وہی سارا زور جنیدؒ کی تعلیمات میں ہے، جنید کی اساسی تعلیم جنید ہی کے قلم سے یہ ہے :-

طریقنا مضبوط بالکتاب والسنۃ من لم یحفظ القرآن ولم یکتب الحدیث ولم یتفقہ لا یقتدی بہ۔	"ہمارا طریقہ کتاب و سنت سے لیا ہوا ہے جس نے قرآن حفظ نہ کیا ہو اور حدیث کی کتابت نہ کی ہو اور فقہ حاصل نہ کیا ہو، وہ قابل اقتدا نہیں"

جنیدؒ نے اپنے انتقال کے بعد بھی عمل بالسنۃ ہی کی مقبولیت کا اعلان کیا جعفر الخلدی ناقل ہیں، میں نے جنید کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہیئے کیسے گذری؟ فرمایا :-

"طاحت تلک الاشارات وغابت تلک العبارات وفنیت تلک العلوم ونفدت تلک الرسوم ومانفعنا الا رکیعات کنا نرکعھا فی السحر۔	"وہ سب اشارات ناپید اور عبارات نابود اور علوم و رسوم لاپتہ پائے۔ بس اخیر شب میں جو چند رکعتیں ادا کرلیتا تھا وہی نفع بخش ثابت ہوئیں"

جنید ہی کے ہمعصروں سے حکیم ترمذی (۲۹۵ھ) مشہور زاہد اور صوفی بزرگ اور سلف میں مشہور مصنفین میں سے ہیں مگر ان کی زہادت کا تعلق کتاب و سنت میں محدود ہے عمر کا بڑا حصہ جمع احادیث ہی میں صرف ہوا گو قوی اور ضعیف میں امتیاز کا سلیقہ نہ رکھتے تھے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں جس حالت کو قبض کہا جاتا ہے وہ جب ان کو لاحق ہوتا اور بے چین و مضطر ہوتے تو اس کا مداوا بھی کتاب و سنت کی تالیف و تصنیف کے شغل سے کرتے۔ اس وقت عوام و خواص کے رجحانات بھی کتاب و سنت کی طرف اتنے تھے ان حکیم ترمذی کی جب کتاب ختم الولایۃ اور کتاب علل الشریعۃ میں اولیاء کی فضیلت بس ڈھنگ سے بیان ہوگئی جس سے سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ نبیوں سے افضل ہیں، اور حدیث یغبطھم النبیون والشھداء سے اس کا استدلال کیا تھا تو پھر ان کی عظمت مشیخت، زہادت، مرشدی و تصوف کسی چیز کا خیال کئے بغیر متفقہ طور سے ان کی تکفیر و تفسیق ہوئی۔ اور کسی نے بھی رکیک تاویلات کے سہارے ان کا دم نہ بھرا حتی کہ ترمذ سے شہر بدر کئے گئے۔ بلخ میں پہنچے تو وہ بھی تلخ ہی نکلا اور عوام و خواص نے ان کی پذیرائی نہ کی تاوقتیکہ عذر و معذرت اور توبہ و ندامت سے سب کو مطمئن نہ کردیا۔ والباقی عند اللہ سیأتیك انشاء اللہ۔

نوی قسط :-

تذکرہ اُدبائے دارالعلوم دیوبند

(از پروفیسر محمد انوار الحسن انور شیرکوٹی لاہور)

"تذکرہ ادبائے دار العلوم دیوبند کے سلسلہ میں جب حضرت بانی دار العلوم دیوبند کا ذکر آیا تو راقم الحروف کی نیت بدل گئی اور سوچا کہ حضرت کے حالات پر مفصل روشنی ڈالوں گا۔ لیکن اصل عنوان سے جُدائی بھی شاق تھی اِس لئے گذشتہ سلسلے کو ایک کتاب کی شکل میں لکھنا شروع کیا اور یہاں صرف مولانا کی ادبیات پر قلم اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ اِس لئے 'ادبیات قاسمی' کے سلسلے کی پہلی کڑی یعنی حضرت کی خطابت یا تقریر بقدرِ استطاعت، مقالہ پیش خدمت ہے' اس سلسلے کی بقیہ کڑیاں بھی انشاء اللہ آئندہ پیش ہونگی"۔ —————— (انور انورس)

ادبیاتِ قاسمی

فصاحت و بلاغت سے آراستہ خطابت یعنی تقریر، ادب کا مایۂ ناز سرمایہ ہے'

خطابت اور شعر سے مشاہیر ادب نے جس قدر نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں ان سے تاریخی صفحات بھرے پڑے ہیں۔ بہترین خطیب اور لیکچرار کسی ملک کا قابلِ فخر سرمایہ ہوتے ہیں۔ جس طرح شعر کی تاریخ بتلاتی ہے، کہ اس نے قوموں اور سلطنتوں کو پستی سے بلندیوں اور ان کی شکستوں کو فتوحات سے بدل کر تمدن و سیاست کی بڑی خدمات انجام دی ہیں' جیسا کہ حالی پانی پتی نے مقدمۂ شعر و شاعری میں مثالیں پیش کی ہیں اسی طرح شعلہ مقال مقرروں نے بھی عظیم الشان کارنامے اور انقلاب انگیز طوفان برپا کئے ہیں۔ دُنیا کے تمام ممالک میں ہر دور میں بہترین خطیب اور مقررین پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے قوموں کے نقشے پلٹ کر رکھ دیئے ہیں۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعض بیان جادو" یہ قول اتنا جامع و مانع ہے کہ ایک جملہ میں ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر اور بیان کی وضاحت اور تفصیل بیان فرمادی ہے۔ شعر اور بیان کے متعلق فصیح، حکیمانہ اور مختصر الفاظ میں تبصرہ فرمادینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے ورنہ بڑے بڑے شعراء و اُدبائے فن نے محض "شعر" پر ضخیم سے ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بہترین شعر اور بہترین بیان حکمت اور تاثیر پر مبنی ہوتا ہے' اگر شعر و بیان میں حکمت و تاثیر نہیں تو شعر اور بیان اصلی جوہر سے خالی ہے' اسی لئے اُدباء اور شعراء نے شعر کی تاثیر پر مقالے سپرد قلم کرتے ہوئے کہا ہے کہ شعر کی تاثیر مسلم ہے اور اسکی بہت سی مثالیں ہر زبان کے شعراء مثلاً۔ بائرن - اعشیٰ، رودکی وغیرہ نے پیش کی ہیں۔

سحبان بن وائل دُنیائے خطابت اور وسعت لسانی میں مشہور انسان ہے جس کے متعلق شیخ سعدیؒ بھی فرما گئے ہیں ؎

تو آں در بلاغت بسحباں رسید
نہ در کنہ بے چونِ یزداں رسید

بہر حال عنوان مضمون یہ ہے کہ خطابت و تقریر کی تاثیر اور اس کی جادوگری ہر دور میں مُلکی، سیاسی۔ مذہبی خیالات میں جاری رہی ہے اور سیاسی و مذہبی اُمور میں اس سے بڑے بڑے دور میں نتائج و ثمرات حاصل کئے گئے ہیں۔

میرے نزدیک شاعری اتنی حقیقت پر مبنی نہیں جتنی کہ خطابت' اسلامی نقطۂ نگاہ سے قرآن اور شعر میں جہاں فرق قایم بنایا گیا ہے وہیں اسکی امتیازی شان، حقیقت اور مبالغہ کے درمیان خط قایم کردیا گیا ہے قرآن کریم کے اثر نے جب دلوں کو مسخر کرنا شروع کر دیا۔ تو

کفارِ عرب نے قرآن کریم کو سحر، جادو اور شعر کہنا شروع کر دیا، اور اس دور میں ہر بلند معیار کلام اور مؤثر نثر کو بھی شعر کہتے تھے۔ اِسی لئے کفار کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ قرآن شعر ہے متکلم قرآن یعنی خدائے قدوس نے فرمایا:۔

وما علمناه الشعر وما ینبغی له ان هو الا ذکر وقرآن مبین۔	"ہم نے نبی کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور یہ انکی تعلیم کے لائق بھی نہ تھا، وہ قرآن تو ذکر (نصیحت) کے سوا کچھ نہیں اور وہ قرآن مبین ہے۔"

جیسا کہ میں نے اُوپر لکھا کہ بیان و خطابت کی بُنیادیں جس قدر حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں اس قدر شعر و شاعری کی نہیں ہوتیں، اِس لئے شعر کی مخالفت کرتے ہوئے ربِّ کریم نے قرآن کریم کو شعری حیثیت سے نکال کر اور ذکر فرما کر شاعری اور قرآن میں خطِ امتیازی قائم کر دیا۔

بہرحال فنِ خطابت اپنی جگہ انسانی خصائص اور صفات میں اعلیٰ خصوصیت اور بہترین انعام ہے۔ اسی لئے فصاحت و بلاغت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی کتاب یعنی قرآن الٰہی میں انسان کی پیدائش اور تخلیق کے ساتھ بیان کی تعلیم کا خصوصیت سے ان الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے۔

خلق الانسان علمه البیان۔ "اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اُس کو بیان کی تعلیم دی۔" (سورۂ رحمٰن)

یعنی اس کو اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کی قُدرت عطا کی۔ لہٰذا فنِ خطابت (جو بیان کے مترادف ہے) اگر بہترین اسلوب و پیرایہ خطابت کے صحیح اُصول اور فصاحت و بلاغت کے اوصاف سے متصف ہو تو وہ انسان کے لئے سرمایۂ انسانیت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جن کو قوتِ گویائی، لسانی فصاحت اور حُسنِ بیان عطا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی اسی لئے اِس وصف سے محرومی کے باعث انہوں نے عرض کیا کہ اے خداوند آپ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اِس لئے واحلل عقدۃ من لسانی "میری زبان کی گرہ کو کھول دیجئے۔" یفقهوا قولی "تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھ سکیں" اور اسی لئے ہارون علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے لئے ممد و معاون بنانے کی دُعا کی۔

بہرحال بیان و خطابت انسانی صفات کا اعلیٰ جوہر ہے۔ یہ جوہر بنی نوعِ انسان کی نسلوں میں ہر دور میں لوگوں کو نصیب ہوتا رہا۔

راقم الحروف اپنے اس مقالہ میں جو "ادبیاتِ قاسمی" کے نام سے معنون ہے حضرت مولانا محمدؐ قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند کی خطابت، نثر و نظم، انشائے اُردو و فارسی اور عربی پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے سب سے پہلے حضرت مولانا کی خطابت، یعنی تقریر سے ادبیات کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔

میں نے ابھی مذکورہ سطور میں یہ حقیقت حوالۂ قلم کی ہے کہ فصیح و بلیغ تقریر یا خطابت، ادب کا بہترین سرمایہ ہے، حضرت مولانا کی ادبیات میں آپ کی تقریر اور خطابت خاص صفات سے متصف تھی۔

حضرت اکبر الٰہ آبادی نے فنِ خطابت کے متعلق جو اُصول اپنی ایک رُباعی میں ظاہر کیا ہے وہ میرے نزدیک بہترین خطابت کا زرّیں اُصول ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

کہنے سُننے کی گرم بازاری ہے ✗ مُشکل ہے مگر اثر پڑے دل میں
ایسا سُنئے کہ کہنے والا اُبھرے ✗ ایسا کہیے کہ بیٹھ جائے دل میں

شاعرِ حکیم نے سُننے والوں اور خطیبوں کے لئے دو اُصول پیش کئے ہیں اور کہا ہے کہ جو تقریر یا خطاب دل میں بیٹھ جائے وہی اصل میں تقریر و خطابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ تقریر کا اصل مدّعا اہلِ مجلس اور سامعین پر اثر ڈالنا ہوتا ہے تاکہ مؤثر تقریر ان کے دلوں کو گرما کر ان کے لئے محرکِ اعضاء ہو سکے اور وہ عمل کی طرف مائل ہو جائیں۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے کہ سُننے اور سُنانے کی دُنیا میں کثرت ہے لیکن ایسے سُننے سُنانے کا کیا فائدہ جسکو سُنکر سُننے والا نہ اُبھرے اور جسکو کہہ کر کہنے والا سامعین کے دل میں نہ بٹھا دے۔

میرے نزدیک فنِ خطابت کی قدروں میں اکبر نے جس قدر کا ذکر کیا ہے وہ تمام اصولِ خطابت کا خلاصہ ہے، اب اس اُصول پر ہمیں مولانا محمدؐ قاسم صاحب نور اللہ مرقدہ کی خطابی قدروں کا کتابوں سے پڑھ کر جائزہ لینا ہے۔

حقیقت میں کسی کی تقریر سُنکر فیصلہ کرنے اور سُنی ہوئی باتوں کا نقشہ کھینچنے میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ مشہور مثل ہے،

"شنیدہ کے بود مانند دیدہ" مگر پھر بھی واقعات کی صحیح تاریخی روشنی میں، میں مولانا کی تقریر کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کروں گا۔

بات یہ ہے کہ مقرر جس انداز سے تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، ایک ایکٹر جس طرح اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے ایک لیکچرار جس انداز میں ہاتھ، سر سے اشارہ کرتا ہے اور یہ کہ بوقت تقریر اسکی پوزیشن کیا ہے یہ سارے ہی امور خطابت کی کشش سے وابستہ ہیں۔ تاہم اثرات سے مؤثر کا پتہ چلانا آسان ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہم نے اگرچہ حجۃ الاسلام اور "لسان حکمت" کی تقریریں نہیں سُنیں لیکن جن کانوں نے وہ وجد آفریں خطبے اور سحر آفریں تقریریں سُنکر آہ! اور واہ! کے نعرے لگائے ہیں ان کے بیانات تو سُنے ہیں، میں انکی طرف آپ کو لئے چلتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتا دوں کہ اس فرشتہ صورت و سیرت انسان کی تقریر میں جادو کا اثر ان کی روحانیت اور قلبی کیفیت کا ثمرہ تھا۔ انھیں نہ تقریر میں ریاکاری اور نمود کی ضرورت تھی اور نہ تحسین و آفرین کے دلولہ انگیز نعروں کی۔ بس بات یہ تھی کہ اُن کے الفاظ معانی سے ہمکنار، اور اُن کے معانی حقیقت سے ہم آہنگ ہوتے تھے۔ بقول اقبال ؎

دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

مولانا کی پہلی تقریر اور اُس کا اثر:-

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی سب سے پہلی تقریر جس کو تاریخی تقریر کہنا چاہیئے وہ ہے جس کا انکشاف مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے "سوانح قاسمی" میں ان الفاظ میں کیا ہے:-

"(مولانا محمد قاسم صاحبؒ) فتوے پر نام لکھنا اور مُہر کرنا تو درکنار اول امامت سے بھی گھبراتے تھے۔ آخر کو اتنا ہوا کر وطن (نانوتہ ضلع سہارنپور) میں نماز پڑھا دیتے تھے، وعظ بھی نہ کہتے تھے۔ جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی نے اول وعظ کہلایا، اور خود بھی بیٹھ کر سُنا اور بہت خوش ہوئے۔"

(سوانح قاسمی صـ ۱۱)

اس عبارت سے حضرت مولانا کی سب سے پہلی تقریر کا پتہ چلتا ہے لیکن تاریخ و سنہ کا نشان معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم تحصیل علم کے بعد ابتدائی دور کی یہ اولین تقریر یا وعظ ہوگا۔ پھر بھی یہ ضرور معلوم ہوا کہ اس پہلی ہی تقریر کا سامعین پر اچھا اثر ہوا تھا اور مولوی مظفر حسین صاحب بھی جنھوں نے مولانا کا وعظ کرایا اور جو اُس زمانہ میں قدما کے نمونے تھے وہ مولانا کی تقریر سُنکر خوش ہوئے تھے۔

یہ تو درمیان میں مولانا کی اولین تقریر کا ذکر آگیا۔ لیکن جیسا کہ میں اوپر لکھتا آرہا تھا کہ مولانا کی تقریر کا دوسروں پر کیا اثر ہوتا رہا تھا، اسکی تفصیل اب پیش کروں گا۔ مناسب ہے کہ سب سے پہلے مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مصنف "سیرت شہید" کی ایک تحریر اُن کی مذکورہ کتاب سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے متعلق پیش کروں۔ "سیرت سید شہیدؒ" کے مصنف شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ شہید کے حالات اور اُن کے وعظ اور وعظ کی تاثیر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر اور وعظ کے متعلق لکھتے ہیں:-

"سب سے بڑھ کر آپ کا اخلاص، حرص ہدایت اور نیک نیتی تھی اور حقیقت میں سب تاثیر اسی کی تھی مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) جو خلقاً و خلقاً شاہ (محمد اسمٰعیل) صاحبؒ سے بہت مشابہ تھے اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ و خطیب تھے۔ سید صاحب کے دیکھنے والوں نے انقراض صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سُنا۔ البتہ اگر کبھی اتفاق ہوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سُنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے وعظ سے بہت ملتا ہے۔"

مولانا محمد قاسم صاحبؒ بہت کم وعظ فرماتے تھے اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو کہدیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا:-

"وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہوسکتا ہے۔ وعظ کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب

شہیدؒ کا اور انہیں کا وعظ مؤثر بھی تھا۔ دیکھو اگر کسی کو پاخانہ، پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اُس وقت تک بے چینی رہتی ہے جبتک وہ ان سے فراغت حاصل نہ کر لے اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اُس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ، پیشاب ہی کا تقاضہ ہوتا ہے اور طبیعت اُسکی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پا کر قضائے حاجت کے لئے جاؤں، سو واعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو واعظ، وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ موثر ہو سکتا ہے۔

ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا ہی نہیں جتنا کہ پاخانہ، پیشاب کا۔ اس لئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جبتک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے اُن کو چین نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے۔ اس لئے وہ وعظ کے اہل تھے اور اُن کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا"

(سیرت سید احمد شہیدؒ ص۳۳۹ - ۳۴۰ بحوالہ

(بحوالہ ارمغان احباب امیر الروایات)

مذکورہ بالا عبارت میں مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے عادت و اخلاق اور صورت و سیرت میں تشبیہ دی گئی ہے یعنی مولانا باعتبار مجاہدات، عبادات، ریاضات اور جہاد لسانی، خطابت و تقریر میں حضرت شہیدؒ سے مشابہت تامہ رکھتے تھے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جیسے حضرت شہیدؒ کے مواعظ کا سلسلہ دہلی میں شروع ہوا تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی تمام دہلی میں دھوم مچ گئی۔ اور حق یہ ہے کہ اس بدعت و رسوم کے دور میں حضرت شہیدؒ نے ہوا پرستوں کی مخالفت کے باوجود وہ کام کیا ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اسی جہاد لسانی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی پُر اثر تقریر سے دہلی کی رنڈیاں تائب ہو کر مجاہدین کے گھوڑوں کو دانہ دلتی رہی ہیں۔ کہاں وہ ان کی پہلی زندگی جس کے چاروں طرف ناپاکیوں کے ڈھیر تھے اور کہاں اب وہ توبہ کے بعد کی زندگی جس میں وہ مجاہدات بنکر مجاہدین کی فہرست کا عنوان بن گئی تھیں۔

حضرت قاسم العلوم بھی حضرت شہید کے قائم مقام تھے چنانچہ آپ نے بھی اپنی زندگی کا ایک خاص حصہ جہاد لسانی اور اعدائے اسلام سے مناظروں اور مباحثوں میں گذارا۔ قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، جو مولانا کے ہم سبق اور وقت کی برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے، اپنے مُرید مولوی محمود حسین بریلوی کو اُن کے ایک خط کے جواب میں جبکہ مرید موصوف نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو خواب میں دیکھنے کا بھی ذکر کیا ہے، کے جواب میں لکھا ہے:-

"مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم کی زیارت رویائے صالحہ موجب قبولیت عمل و آثار صلاح و رشد ہیں اور اُن کی توجہ کی علامت ہے شکر کی بات ہے، رقت اس کا اثر ہے۔ مولانا مرحوم حیات میں جہاد لسانی میں سرگرم تھے اس کا ظہور ہے اور تم کو اس حلیہ میں نظر آنا بھی یہی مقصد ہے کہ راہ حق میں دلیرانہ کام کرو اور سعی کرو۔" (مکاتیب رشیدیہ ص۸۹)

حضرت گنگوہیؒ کے مکتوب بنام مولوی محمود حسین بریلوی سے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے جہاد لسانی کی حقیقت کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے اور یہی صفت منجملہ دیگر کمالات، کے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی صفت تھی۔ یہ بات قابل وضاحت ہے کہ مولانا گنگوہیؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ صرف جہاد لسانی میں ہی سرگرم تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انکی یہ صفت امتیازی صفت تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بانی دار العلوم کی ہر ایک صفت قابل صفت تھی وہ نہ صرف جہاد لسانی

دوسری قسط:-

ایمان و کفر کا معیار

قرآن و حدیث کی روشنی میں!

(مولینا خالد محمود ایم اے، پروفیسر مرے کالج سیالکوٹ)

لفظ ضروریات سے کیا مراد ہے اس کے متعلق علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

"المراد حصول العلم الضروری بثبوته عن النبیؐ لا کون الثابت ضروریاً وهذا العلم انما یحصل بالتواتر"

(فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)

"ضروریات سے مراد اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی طور پر ثابت ہونا ہے۔ نہ یہ کہ جو ثابت ہو وہ امر ضروری ہو۔ اور یہ یقین تواتر سے حاصل ہو جاتا ہے۔"

علامہ کمال بن ابی شریف (المتوفی ۹۰۵ھ) شرح مسائرہ میں لکھتے ہیں:-

"الایمان هو التصدیق بالقلب فقط ای قبول القلب واذعانه لما علم بالضرورة انه من دین محمد صلے اللہ علیه وسلم بحیث تعلمه العامة من غیر افتقار الی نظر ولا استدلال کالوحدانیة والنبوة والبعث والجزاء ووجوب الصلوٰة والزکوٰة وحرمة الخمر ونحوها ویکفی الاجمال فیما یلاحظ اجمالاً کالایمان بالملئکة والکتب والرسل ویشترط التفصیل فیما یلاحظ تفصیلاً کجبرئیل ومیکائیل وموسی وعیسے والتوراة والانجیل حتی ان من لم یصدق بواحدٍ معین منها کافر والقول بان مسمی الایمان هذا التصدیق فقط هو المختار عند جمهور الاشاعرة وبه قال الماتریدی"

(مسامرہ ص ۱۲۲)

(مطبوعہ مصر)

"ایمان سے مراد فقط تصدیق قلبی ہے یعنی ہر اس بات کو قبول کرنا اور ماننا جو ضروری یعنی یقینی طور پر محمدؐ کا دین ثابت ہو چکی ہو۔ اسطرح کہ عامۃ الناس نظر و استدلال کا محتاج ہونے کے بغیر اسے دین محمدیؐ میں سے جانیں جیسے توحید، نبوت، بعثت، جزاء، نماز و زکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب کا حرام ہونا وغیرہا جہاں اجمال ہے وہاں اجمالی طور پر ایمان لانا کافی ہے، جیسے فرشتوں پر ایمان، پیغمبروں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ اور جہاں تفصیل ہے وہاں تفصیلی طور پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے جبرئیل میکائیل پر ایمان، موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان، تورات و انجیل پر ایمان لانا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کوئی ان میں سے کسی ایک معین فرد پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ کافر ہے اور یہ بات کہ ایمان کا مسمیٰ فقط تصدیق قلبی ہے۔ یہی جمہور اشاعرہ کا مختار ہے، اور یہی امام ابو منصور ماتریدی کا فیصلہ ہے۔"

تنبیہ:- امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مسائرہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ایمان کی تعریف "هو التصدیق بالقلب واللسان" نقل کی ہے، اور اس پر بہت سے دلائل پیش کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے "وهو الاحتیاط"۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہ رائے بظاہر جمہور اشاعرہ، اور ماتریدیہ کے خلاف ہے، مگر امام ابن ہمامؒ نے آخر میں جو قول علامہ نسفیؒ کا تنبیہاً نقل کیا ہے، اس سے سارا اختلاف اٹھ جاتا ہے:-

"الایمان هو التصدیق فمن صدق الرسول صلے اللہ علیه وسلم فیما جاء به فهو مومن فیما بینه وبین اللہ تعالی والاقرار شرط اجراء الاحکام هو بعینه القول المختار عند الاشاعرة"

"ایمان سے مراد فقط تصدیق ہی ہے پس جو شخص پیغمبر علیہ السلام کو آپ کی ہر تعلیم میں سچا یقین کرے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے۔ اور زبانی اقرار کی شرط صرف اجرائے احکام کے لئے ہے، اور یہی بعینہ اشاعرہ کا مختار ہے۔"

علامہ کمال بن ابی شریف رحمہ اللہ نے "احکام" کی شرح یوں کی ہے:-

والمراد بالاحکام فی قولھم "اجراء الاحکام" ھی احکام الدنیا من الصلاۃ خلفہ والصلاۃ علیہ ودفنہ فی مقابر المسلمین وغیر ذٰلک کعصمۃ الدم والمال ونکاح المسلمۃ ونحوھا۔ (مسامرہ ص۱۷۹)

"اور یہاں احکام سے مراد مومن سے متعلق احکام دنیا ہیں مثلاً اُس کے پیچھے نماز کا جائز ہو، اُس کا جنازہ پڑھنا اُس کا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونا اُس کے جان و مال کا محفوظ ہونا اور اُس سے مسلمان عورت کا نکاح ہوسکنا وغیرہ"۔ (مسامرہ ص۱۷۹)

شیخ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شرح مسایرہ میں علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متذکرۃ الصدر قول پر لکھتے ہیں:-

"ھذا القول مروی عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ نص علیہ فی کتاب العالم والمتعلم وھو اختیار الشیخ ابی منصور والحسن بن الفضل البلخی والمحققین من اصحابنا"

"یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے۔ آپ نے "کتاب العالم والمتعلم" میں اس پر نص فرمائی ہے شیخ ابو منصور ماتریدی امام حسن بن فضل بلخی اور ہمارے محققین حضرات کا یہی مختار ہے"۔

قرآن حدیث اور تصریحات آئمہ کرام سے ایمان کی یہ تعریف نقل کرنے کے بعد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات پر ایمان لانا ہی شرعی ایمان ہے۔ اور اگر کسی ایک ایسی بات کا بھی انکار کردیا جائے جو قطع و یقین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہو تو ایمان قائم نہیں رہتا۔ اب احقر العباد دو کثیر الایراد مغالطوں کا جواب عرض کرتا ہے اس کے بعد اسلام کے شرعی مفہوم اور ایمان اور اسلام کی باہمی نسبت پر کچھ عرض کیا جائیگا۔ واللہ الموفق۔

شبہ اولیٰ:- بعض فروعی مسائل میں جب آئمہ ایک دوسرے کی پیش کردہ روایات کا انکار کرتے ہیں تو ان میں سے ایک نہ ایک تو لازمی طور پر دین محمدی کی ایک چیز کا انکار کر رہا ہوتا ہے بس اس صورت میں وہ ایک دوسرے کو کافر کیوں نہیں سمجھتے بلکہ اہل سنت تو باوجود ان سب اختلافات کے سب آئمہ کو برحق سمجھتے ہیں۔

الجواب:- یہ سب اختلافات "فرعیہ دائرہ بین الائمہ" اخبار آحاد میں واقع ہوتے ہیں، جو کہ مفید ظن ہوتی ہے، نہ کہ مفید قطع و یقین اور ایمان کی تعریف میں یہ قید ہے، کہ اس امر کا دین محمدی میں سے ہونا بطریق قطع و یقین ثابت ہو۔ جو صرف تواتر کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے اور جو امور صاحب رسالت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، ان میں کسی امام کا اختلاف نہیں ہے۔ رہا باوجود اختلاف کے ایک دوسرے کو برحق سمجھنا تو یہ اس لئے کہ مجتہد مخطی بھی بفحوائے حدیث نبوی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ پس اس لحاظ سے وہ مجتہد مصیب ہے۔

"کل مجتھد مصیب وان کان الحق فی واحد فمن اصابہ فقد اصاب الحق ومن اخطأہ فقد اخطأہ۔ (التقریر والتحبیر ج۳ ص۳۰۸ مصر)

"ہر مجتہد راہ راست پر چلنے والا ہے اگرچہ حقیقۃً صرف ایک ہی میں محدود ہو، پس جو اس حق تک پہنچا وہ حق تک پہنچا اور جس نے کہ اس پہنچنے میں غلطی کی پس اس نے غلطی کی"۔ (التقریر والتحبیر ج۳ ص۳۰۸ مصر)

شبہ ثانیہ:- اگر مومن ہونے کے لئے جملہ تعلیمات محمدیہ کو ماننا ہی ضروری ہے اور کسی ایک امر کا نہ ماننا بھی حدود اسلام سے نکال کر حدود کفر میں داخل کردیتا ہے، تو جو لوگ باوجود قدرت کے حج نہیں کرتے یا کبھی نماز کے قریب نہیں جاتے اُنھیں اقرار شہادتین کے باوجود کافر کیوں نہیں قرار دیا جاتا۔

الجواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات کو جو قطع و یقین کے ساتھ آپ سے ثابت ہوں سچا ماننا اعتقادی پہلو سے مومن ہونے کی شرط ہے عملی پہلو سے نہیں۔ اگر کوئی حج کی فرضیت کا جو قطع و یقین کے ساتھ حضورؐ سے ثابت ہے اقرار کرتا ہے، اور اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوا۔ ہاں گنہگار ضرور ہوگا۔ لیکن اگر کوئی حج کے دین اسلام میں سے ہونے کا ہی انکار کرے تو پھر وہ یقینی طور پر حدود اسلام سے نکل جائے گا۔

حجۃ الاسلام حضرت علامہ سید انور شاہ الکاشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

فالضرورۃ فی الثبوت عن حضرۃ الرسالۃ فی کونہ

"پس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ضرورت فی الثبوت ثابت ہو

من الدین لا من حیث العمل... اُس کے دین ہونے کی ہے نہ کہ

"الخ (فیض الباری ص۶۹ ج۱) من حیث العمل ہے۔"

بحث اسلام باعتبار شرع

قرآن مجید فرقانِ حمید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ الدِّین عند اللّٰہ الاسلام "بلاشبہ صحیح رستہ اللہ کے نزدیک

(القرآن) یہی اسلام ہے۔"

اِس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اسلام اس رستے اور طریق عمل کا نام ہے جس سے خالق کائنات اور قادرِ مطلق راضی ہو ویؤیدہ قولہ تعالےٰ۔ "ورضیت لکم الاسلام دینا" ہاں اس رستے اور طریق عمل کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ظاہر کے ساتھ باطن بھی پروردگار حقیقی کے سامنے جُھکا ہوا ہو، اور دل میں دولتِ ایمان موجود ہو۔

امام ابن ہمامؒ مسامرہ میں لکھتے ہیں:-

وھو الاستسلام الی قبول اوامرہ ونواھیہ الذی ھو معنی الاسلام وقد اتفق اھل الحق وھما فریقا الاشاعرۃ والحنفیۃ علےٰ انہ لا ایمان بلا اسلام وعکسہ۔

"اور انقیاد خداتعالیٰ کے اوامر و نواہی کو اپنانے کی رغبت کا نام ہے اور یہی معنی اسلام کے ہیں۔ اور اہل حق جو اشاعرہ اور حنفیہ ہیں کا اتفاق ہے کہ ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب جبرئیل علیہ السلام نے تعلیم اُمت کی مصلحت سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے اسلام کی تعریف یوں فرمائی:-

ان تشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدًا رسول اللّٰہ و تقیم الصلوٰۃ وتوتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلا (صحیحین)

"اسلام اِس امر کا نام ہے کہ توحید باریتعالیٰ اور میری رسالت کا اقرار کرے اور اس بات کا اقرار کرے کہ تو نماز قائم کریگا، زکوٰۃ دیگا رمضان کے روزے رکھے گا اور بشرط استطاعت حج بھی کرے گا۔"

پس اگرچہ اعمال اسلام کا جزو نہیں لیکن اِس حدیث کی رُو سے ان کا اقرار اور انقیاد ضرور اسلام میں داخل ہے۔

"الاسلام ھو الخضوع والانقیاد بمعنی قبول الاحکام الشرعیۃ وذالک حقیقۃ التصدیق علےٰ ما مر"۔ کذا فی شرح العقائد۔

"اسلام جھکنے اور احکام شرعیہ کی قبولیت کا نام ہے اور یہی تصدیق کی حقیقت ہے۔" (کذا فی شرح العقائد)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

الایمان ھو التصدیق القلبی من الانقیاد الباطنی والاسلام ھو اظھار ذالک الانقیاد الباطنی بالاقرار اللسانی والاذعان الاحکام الاسلامی فلا یشکل بادخال اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ فی مفھوم الاسلام علےٰ ما علیہ اھل السنۃ والجماعۃ من ان عمل الطاعات خارج عن حقیقۃ الایمان والاسلام" (شرح فقہ اکبر ص۱۶۷)

"ایمان اطاعت باطنی سے تصدیق قلبی کا نام ہے اور اسلام اس اطاعت باطنی کے اقرار زبان سے ظاہر کرنے اور احکام اسلامی کے قبول کرنے کا نام ہے، پس اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ کو اسلام کے مفہوم میں داخل کرنے سے اہل سنت کے اس عقیدے پر کہ عبادات ایمان اور اسلام کی حقیقت سے خارج ہیں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔" (شرح فقہ اکبر ص۱۶۷)

پس معلوم ہوا کہ اگرچہ ایمان اور اسلام میں ظاہری طور پر فرق ہے، لیکن یہ فرق صرف اعتباری ہے۔ نہ کہ حقیقی یہی وجہ ہے کہ جس مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبرئیل میں اسلام سے تعبیر فرمایا اِسی مضمون کو ایک دوسرے موقع پر ایمان سے تعبیر فرمایا۔ آپؐ نے وفدعبدالقیس کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

ھل تدرون ما الایمان باللّٰہ وحدہ قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدًا رسول اللّٰہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وان تؤدوا خمسا من المغنم (صحیح مسلم ص۳۵ ج۱)

"کیا تم جانتے ہو کہ ایک خدا پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ واحد معبود ہے اور یہ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا زکوٰۃ

مسند احمد [illegible] میں لفظ حج بھی [illegible]

م دینا رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت کا خمس ادا کرنا۔"

"عبّر الشارع بالایمان عن الاسلام تارۃً وبالاسلام عن الایمان اُخریٰ۔"
(شرح فقہ اکبر صـ۱۶۷)

"شارع علیہ السلام نے ایک موقع پر ایمان کو اسلام سے تعبیر کیا اور دوسرے موقع پر اسلام کو ایمان سے تعبیر فرمایا۔"

ان حقائق سے واضح ہے کہ شریعت کی نگاہ میں ایمان اور اسلام ایک ہیں فرق صرف اعتباری ہے اور وہ بھی زیادہ تر اسی وقت ملحوظ ہوتا ہے، جبکہ ایمان اور اسلام کے اطلاقات ایک ساتھ اور مقابلہ میں ہوں۔ چنانچہ حدیث جبریل میں ایمان اور اسلام کی مختلف تعبیرات اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :۔

"والذی یظھر من مجموع الادلۃ ان لکل منھما حقیقۃ شرعیۃ کما ان لکل منھما حقیقۃ لغویۃ لکن کل منھما مستلزم للآخر بمعنی التکمیل لہ فکما ان العامل لایکون مسلماً کاملاً الا اذا اعتقد فکذالک المعتقد لایکون مؤمناً کاملاً الا اذا عمل۔" (فتح الباری ج ۱ صـ۹۴ مصر)

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں :۔

اذا افرد کل من الایمان والاسلام بالذکر فلا فرق بینھما حینئذٍ وان قرن بین الاسمین کان بینھما فرق ـــــ فالایمان والاسلام کاسم الفقیر والمسکین اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا فاذا افرد احدھما دخل فیہ الآخر واذا قرن بینھما احتاج کل واحد منھما الی تعریف یخصّہ۔
(شرح الملہم صـ۱۵۳ ج ۱)

"جب ایمان اور اسلام کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہو، تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور اگر ایک ساتھ ہوں تو پھر ان میں فرق ہوگا، پس ایمان اور اسلام فقیر اور مسکین کے نام کی طرح ہیں کہ جب ایک ساتھ ہوں گے تو فرق ہوگا اور جب جُدا جُدا ہوں گے تو ہم معنی ہوں گے، جب مفرد ہوں گے تو ایک دوسرے میں داخل ہوں گے، اور جب اکٹھے ہوں گے تو ہر ایک اپنی تعریف مخصوص کا محتاج ہوگا۔"
(فتح الملہم صـ۱۵۲ ج ۱)

شیخ قاسم بن قطلوبغا مسایرہ ابن ھمام کی اس عبارت کو، کہ "لا ایمان بلا اسلام وعکسہ" کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

"ان الاسلام لما کان عبارۃ من الانقیاد والخضوع فذالک لایتصور بدون تصدیق اللہ تعالیٰ فی الوھیتہ وربوبیۃ والایمان لما کان عبارۃ عن تصدیق اللہ تعالیٰ فیما اخبر بہ علیٰ لسان رسلہ فانما یتحقق ذالک بقبول اوامر ونواھیہ۔"
(شرح مسایرہ ج ۲ صـ۱۸۶)

"جبکہ اسلام سے مُراد انقیاد اور جُھک جانا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت کی تصدیق کے بغیر متصوّر ہی نہیں ہوسکتا اور ایمان کی تعبیر جبکہ اللہ تعالےٰ کی ہر اُس بات کی تصدیق ہے جس کی اُس نے اپنے پیغمبروں کی زبان سے خبر دی تو بھی اس کے اوامر و نواہی کو قبول کرنے کے بغیر ناممکن ہے۔"
(شرح مسایرہ ج ۲ صـ۱۸۶)

ربّ العزت جل شانہٗ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ایمان اور اسلام کو ایک قرار دیا ہے :۔

(۱) حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کو عذاب سے محفوظ رکھنے کے ذکر میں اللہ تعالےٰ فرشتوں سے حکایۃً ارشاد فرماتے ہیں :۔

فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیتٍ من المسلمین (پارہ ۲۷)

"پھر ہمنے اُسے بچا لیا جو وہاں ایمان والا تھا۔ پس ہم نے نہ پایا وہاں سوائے ایک مُسلمان گھر کے۔"

اس آیت میں مومنین اور مسلمین کا ایک دوسرے کے لئے استعمال ہونا ایمان اور اسلام کے ایک ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ قوم موسیٰؑ سے حکایۃً ارشاد فرماتے ہیں :۔

یا قوم ان کنتم اٰمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین" (پ ۱۱ س یونس)

"اے قوم اگر تم اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہو تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔"

اس آیت میں بھی اسلام اور ایمان کے ایک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ان تسمع الا من یؤمن بایٰتنا فھم مسلمون (پ ۲۰ نمل)

"آپ تو سُناتے ہی ہیں انھیں جو مومن ہیں ہماری آیات پر بس وہی مُسلمان ہیں۔"

(۴) فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہٖ فقد اھتدوا۔ (پارہ ۱ ع ۱۶)

"پس اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو انہوں نے ہدایت پالی۔"

اور اسی مضمون کو دوسرے مقام پر "فان اسلموا فقد اھتدوا" (پ ۳) سے تعبیر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ شریعت کی نظر میں ایمان اور اسلام کی حقیقت ایک ہے۔ چنانچہ شرح عقائد میں ہے۔

"الایمان والاسلام واحدٌ۔"

اس پر نواب صدیق حسن خان صاحب "بغیۃ الرائد فی شرح العقائد" صـ۷ میں لکھتے ہیں:۔

"مقصود اینجا آنست کہ ہر کہ مومن است مسلم است و ہر کہ مسلم است مومن است مغایرتی درمیان نیست و ہمین است مراد باتحاد ہر دو۔" (بغیۃ الرائد صـ۷)

"اس جگہ مقصود یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مومن ہے مسلمان بھی ہے اور ہر وہ شخص جو مسلم ہے مومن بھی ہے کوئی فرق ان میں نہیں اور اسلام اور ایمان کے ایک ہونے سے یہی مراد ہے"

ان تحقیقات سے یہ بات واضح ہوگئی۔ کہ جو لوگ کسی بدعقیدہ "زاہد" کو یہ کہدیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے مومن نہیں، اور بےعمل مسلمان کو یہ کہدیتے ہیں کہ مومن تو ہے مگر مسلمان نہیں وہ غلطی پر ہیں۔ بدعقیدہ زاہد نہ مسلمان ہے نہ مومن اور بےعمل مسلمان مومن بھی ہے اور مسلمان بھی ہاں گنہگار ضرور ہے کیونکہ شریعت کی نگاہ میں ایمان اور اسلام ایک ہیں۔ فرق صرف اعتباری ہے ایمان قلب سے متعلق ہے اور اسلام اس کا اظہار ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔

الاسلام علانیۃ والایمان فی القلب[1] (رواہ احمدؒ)

"اسلام اظہار ہے اور ایمان قلب میں ہے۔"

اگر دل میں تصدیق ہو مگر انقیاد نہ ہو تو اہلسنت کا اجماع ہے، کہ ایسا ایمان کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ فرعون باوجودیکہ دل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا جانتا تھا۔ مگر سچا ماننے کو تیار نہ تھا۔ یا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے یہود و مشرکین جو دل سے حضورؐ کو سچا جان چکے تھے مطیع و منقاد ہونے کو تیار نہ تھے۔ پس ثابت ہوا کہ تصدیق بدون انقیاد کے اور انقیاد بدون تصدیق کے بالکل معتبر نہیں ہیں۔

اس حقیقت کے واضح ہونے سے کہ اسلام اور ایمان میں کوئی فرق نہیں یہ مسئلہ بھی بے غبار ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات (جو قطع و یقین کے ساتھ آپؐ سے ثابت ہوں) پر مسائل کلامیہ میں اعتقاد اور مسائل فقہیہ میں تسلیم ہی ایمان ہے اور یہی اسلام ہے جس کے بغیر نہ کوئی مومن ہوسکتا ہے، اور نہ مسلمان کہلا سکتا ہے۔ اگر ایمان اور اسلام کے الفاظ اس مفہوم کے سوا کسی دوسرے معنوں میں استعمال ہوں گے تو وہ معنی لغوی ہونگے شرعی تعبیر نہ ہوں گے۔

الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم[2] فاولٰئک لھم الامن وھم مھتدون (پارہ ۷)

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک[2] سے مخلوط نہ کیا تو انہی کے لئے امن ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

یعنی اگر خدا پر ایمان رکھنے کے باوجود شرک کو نہ چھوڑا تو وہ نہ ایمان شرعی ہے اور نہ اس کے ذریعہ سے امن و ہدایت مل سکتی ہے، چونکہ ایمان شرعی اور شرک ایک دوسرے کی ضد ہیں، اور ان کا جمع ہونا محال ہے، اس لئے شرک سے آلودہ یقین کو صرف ایمان لغوی ہی کہا جاسکتا ہے۔ ایمان شرعی کے لئے ضروری ہے کہ جملہ تعلیمات محمدیہؐ کو سچا مانا جائے جو ایمان شرک سے مخلوط ہو وہ ہرگز ایمان شرعی نہیں۔

وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔ (پ ۱۳ سورۂ یوسف)

"اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں۔"

اب ظاہر ہے کہ یہاں ایمان سے مراد ایمان شرعی نہیں ہے۔

ایمان شرعی کی اس تعبیر کے بعد کہ جملہ تعلیمات محمدیہؐ پر اعتقاد و تسلیم ضروری ہے اب اس کے ارکان بھی ہدیۂ ارقام کئے جاتے ہیں، جن کے اقرار کا ہر مومن سے مطالبہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ "اے ایمان والو! یقین کرو اللہ پر اور

---

[1] ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ وفیہ علی بن مسعدۃ وثقہ قوم وضعفہ آخرون کما فی الفتح صـ۱۵۲ ۱۲ منہ۔

[2] ظلم کا ترجمہ "شرک" احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہے قال اللہ تعالیٰ "ان الشرک لظلم عظیم" (لقمان) ۱۲۔

ورسوله والکتاب الذی	اسکے رسول پر اور اسکی کتاب پر جو
نزل علے رسوله والکتاب	اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی،
الذی انزل من قبل ؕ ومن	اور پہلے کی نازل شدہ کتاب پر
یکفر باللہ وملٰئکتہٖ وکتبہٖ	اور جو کوئی یقین نہ کرے اللہ پر اور
ورسلہٖ والیوم الاٰخر فقد	اسکی فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور
ضل ضلالاً بعیداً ؕ	قیامت کے دن پر بس وہ دور کی گمراہی
(پارہ ۵ نساء)	میں جا پڑا۔"

یعنی جو اسلام قبول کرے، اُس کو ضرور ہے کہ اسکے جملہ ارکان پر یقین لائے۔ اُس کی تعلیمات میں سے اگر کسی ایک ارشاد پر بھی یقین نہ لائے گا تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

تفصیلِ ارکان:

اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ رب العزت کو، اس کی ذات، اس کی صفات اور اُس کے افعال میں بے شریک یقین کرے، اس کے حبیب پاک محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول، آخری نبی اور خصوصیاتِ نبوت میں بے شریک مانے۔ قرآن پاک پر ایمان ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ کا کلام، اور تحریف و تنسیخ سے محفوظ سمجھے، اسی طرح باقی ارکانِ ایمان کو بھی ان تمام تفاصیل کے ساتھ جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں سچا یقین کرے۔

حدیث جبریل میں ایمان کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل ارشاد غالباً متذکرۃ الصدر آیت سے ہی ماخوذ ہے:۔

ان تؤمن باللہ وملٰئکتہٖ	"تو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے
وکتبہٖ ورسلہ والیوم الاٰخر	فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے
وتؤمن بالقدر خیرہٖ	رسولوں پر یوم آخرت پر اور تقدیر کے
وشرّہٖ الحدیث (صحیحین)	اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و شر ہونے پر (الحدیث)

اس پر حضرت علامہ شبیر احمد العثمانی رحمۃ اللہ تعالےٰ لکھتے ہیں:۔

دل الجواب علے انہ علم انہ	"حضور کا جواب دلالت کرتا ہے کہ
سألہ عن متعلقاتہ لا عن	آپ یہ جان گئے تھے کہ سوال لفظ
معنی لفظہ والا لکان الجواب	"ایمان" سے متعلق نہیں متعلقات
"الایمان التصدیق"	ایمان کے بارہ میں ہے۔ ورنہ جواب یہی
(فتح الملہم ج ۱ ص ۱۶۱)	ہوتا کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔"

ایمان اور اسلام کی ان تفصیلات کے بعد اس لئے کہ "الاشیاء تعرف باضدادھا" کفر کے متعلق کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے:۔

لغت عرب میں کفر ستر نعمت کو کہتے ہیں اور اُس کی ضد شکر ہے۔

فاذکرونی اذکرکم واشکروا	"مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا
لی ولا تکفرون (پ ۲ ع ۲)	اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو"
لئن شکرتم لازیدنکم	"اور اگر تم شکر کروگے تو میں تمہاری
ولئن کفرتم ان عذابی	نعمت زیادہ کروں گا اور اگر ناشکری
لشدید۔" (پ ۱۳)	کروگے تو یہ سمجھ لو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے"
عن ابن عباسؓ قال قال	حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جہنم
اریت النار فاذا اکثر اھلھا النسا	دکھایا گیا پس کیا دیکھتا ہوں کہ مردوں
یکفرن قیل ایکفرن باللہ	سے عورتیں زیادہ ہیں وہ کفر کرتی ہیں،
قال یکفرن العشیر ویکفرن	آپ سے عرض کی گئی کہ کیا دین کا کفر کرتی
الاحسان "الحدیث بخاری)	ہیں؟ آپ نے فرمایا کنبے کی ناشکری کرتی ہیں
صفحہ ۳۹ ج ۱)	اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں[1]۔

"کفر" عربی زبان میں پردے کو کہتے ہیں۔ زارع کو بھی اس لئے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے کافر کہا گیا ہے۔ اسی طرح سیاہ رات کو بھی، اس لئے کہ وہ اپنی سیاہی میں دُنیا کو ڈھانپ لیتی ہے کافر کہتے ہیں پھل کے غلاف کو اسی اصل کی وجہ سے "کافر" کہا گیا ہے۔ کما فی البیضاوی۔

عرب اس وقت جب درع کے اوپر کوئی کپڑا پہن لیا جائے کہتے ہیں "کفر درعہٗ" کما فی الفتح جلد (۱) ص ۲۳۳: "اُس نے اپنی درع کو چھپا لیا"۔ اور چونکہ انکار اُسی چیز کا ہوتا ہے جو پوشیدہ اور چھپی ہوئی ہو۔ اس لئے پھر کفر انکار کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

فیصلے کے دن جب حساب کتاب ہو چکے گا تو ابلیس بھی اپنے ساتھیوں سے کہے گا:۔

[1] یہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے۔ ۱۲

انی کفرت بما اشرکتمون من قبل۔ (پ ۱۳)

"میں منکر ہوں اُس سے جو تم نے اس سے پہلے مجھے شریک بنا رکھا تھا"

جب لفظ کفر انکار کے معنوں میں ہو، تو یہ یقین اور تصدیق کا مقابل ہے، اس صورت میں یہ لفظ ایمان کی ضد بنا، پس اطلاق شرعی میں بھی کفر اور ایمان ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوں گے۔

(۱) ومن لم یؤمن باللہ ورسولہ فانا اعتدنا جہنم للکافرین سعیرًاط (پ ۲۶ ع ۲)

"اور جو کوئی اللہ اور اُس کے پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتا تو ہم نے ایسے کافروں کے لئے دہکتا جہنم تیار کیا ہے۔"

(۲) ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان الآیۃ (پ ۲۶ حجرات)

"اور لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اُسے تمہارے دلوں میں زینت دی۔ اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمہارے لئے قابل نفرت بنا دیا۔"

(۳) ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن۔ (پ ۲۸ تغابن)

"پس وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مؤمن۔"

(۴) فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (پ ۱۵)

"پس جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے کفر اختیار کرے"

پس جبکہ شرع میں ایمان اور کفر ایک دوسرے کی نقیض ہیں، اور ایمان کے شرعی معنی یہ ہیں کہ جملہ تعلیمات محمدیہ جن کا آپ کی تعلیم ہونا قطع ویقین سے ثابت ہو، مسائل کلامیہ میں اعتقاد اور مسائل فقہیہ میں تسلیم ہو، تو کفر کے شرعی معنی بھی متعین ہو گئے۔ کہ تعلیمات محمدیہ میں سے کسی ایک ارشاد کا انکار بھی اسلام سے نکال کر کفر کی حدود میں داخل کر دیتا ہے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان میں جملہ تعلیمات محمدیہ پر یقین رکھنے کی قید ہے، جو کہ موجبہ کلیہ ہے اور کفر میں جمیع کی قید نہیں اس لئے کہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہے جو سالبہ جزئیہ ہوتی ہے۔ یعنی شرائع اسلام میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی مکمل کفر ہے۔ مثلاً "کل انسان حیوان ہیں"، ایک ایسا قضیہ ہے جو موجبہ کلیہ ہے اب اگر کسی ایک انسان کا بھی حیوان نہ ہونا ثابت ہو جائے، تو یہ سارا قضیہ غلط ہو جائے گا۔ اور اس کے غلط ہونے کے لئے یہ ضروری نہ ہو گا کہ ہر ایک انسان کا حیوان نہ ہونا ثابت ہو، اس لئے موجبہ کلیہ کے ابطال کے لئے سالبہ جزئیہ کافی ہوتا ہے۔

اِسی طرح ایمان کے لئے کُل تعلیمات محمدیہ کو ماننا ضروری ہے اب اگر کسی ایک ایسے امر کا بھی انکار کر دیا جائے، جو یقینی طور پر آپ کی تعلیم ہو۔ تو پھر بھی ایمان کا موجبہ کلیہ باطل ہو جائے گا۔ اور اُس کی نقیض سالبہ جزئیہ کفر کی صورت میں جلوہ گری کرے گی۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ ایمان موجبہ کلیہ ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں کُفر سالبہ کلیہ کا نام نہیں بلکہ سالبہ جزئیہ ہے۔

اِس تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو لوگ حضورؐ کے آخری نبیؐ ہونے کے منکروں کے متعلق یہ کہدیا کرتے ہیں کہ چونکہ کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں قایم کرتے ہیں، اِس لئے مُسلمان ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں اس لئے کہ اسلام اس امر کا نام نہیں کہ اسلام کی کچھ باتیں پائی جاتی ہوں اسلام اس حقیقت کا نام ہے کہ اُس میں کفر کی کوئی بات نہ ہو۔ پس مسلمان قرار دینے کے لئے یہ ضروری ہو گا۔ کہ اسلام کی کسی ایک بات کا انکار بھی نہ پایا جاتا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے بھی ایمان بالبعض اور "کفر بالبعض" کو خالص اور مکمل کُفر ہی قرار دیا ہے۔ ایمان شرعی ایک شئی بسیط ہے جو ہو گا تو پورا ہو گا اور نہ ہو گا تو کچھ بھی نہ ہو گا اس کا تجزیہ محال شرعی ہے۔ قال اللہ تعالےٰ:۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً اولئک ھم الکافرون حقًا واعتدنا للکافرین عذابًا مھینًاط (پارہ ۶)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ اور اُس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی درمیانی راہ نکالیں یہی وہ لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں اور ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اِس ارشاد ربانی نے واضح کر دیا کہ اللہ کو ماننا اور اُس کے رسولوں کو نہ ماننا یا بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کل اسلام کو نہ ماننا سمجھا جائے گا بعض کا انکار کُل کے انکار کی طرح کُفر خالص ہو گا

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس آیت پر لکھتے ہیں:-

فالکافر ببعض ذالک	"پس بعض کا انکار کرنے والا
کالکافر بالکل فی الضلال	کل کے انکار کرنے کا حکم رکھیگا"

(ص ۱۰۳ ج ۱ مصر)

افتؤمنون ببعض الکتاب	"کیا تم بعض حصۂ کتاب پر
وتکفرون ببعض ط فما	ایمان لاتے ہو، اور بعض کے
جزاء من یفعل ذالک	ساتھ کفر کرتے ہو"
منکم الاخزی۔	(پ)

اِس آیت کریمہ نے بھی متنبہ کیا کہ جب اللہ اور اُس کے رسول کو مان لیا تو اُس کے معنی یہی ہیں کہ ہر امر اور ہر خبر میں اُس کی تصدیق کرنا اور اُس کو سچا سمجھنا چاہئیے، یہ کیسا ماننا ہوا، کہ بعض اُمور میں تصدیق اور بعض میں عدم تصدیق، ایسا ماننا تو سوائے اس کے کہ دُنیا و آخرت میں رُسوائی ہو کیا حقیقت رکھتا ہے۔

من انکر شیئا من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا الٰہ الا اللہ۔ (شرح سیر کبیر امام محمدؒ ج ۴ ص ۲۶۵)

یعنی جس نے ایک بھی اسلامی بنیاد کا انکار کر دیا اس نے اپنے کلمہ پڑھنے کو باطل کر لیا۔ کیوں کہ اقرار کلمہ کے معنی ہی یہ تھے کہ کُل تعلیمات محمدیہ پر مسائل کلامیہ میں اعتقاد اور مسائل فقہیہ میں تسلیم ہو +

(بقیہ "فلسفۂ نعمت و مُصیبت" ص ۱۰ سے آگے)

سلسلہ نمایاں ہے۔ زیادہ کھانے، زیادہ سونے، زیادہ راحت اُٹھانے اور زیادہ لذتوں میں سرشار رہنے سے نفس میں امراض افکار، تشویش، پریشانی، گھٹن اور سوء مزاج کا پیدا ہو جانا بدیہی ہے۔ اسی ریاضت نفس و ورزش اور مشقت کے ذریعے ان آفات کو دفع کرنے کی فکر کی جاتی ہے کہ راحت محض بلا مشقت عمل کا انجام تعطّل اور از کار رفتگی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بداعتدالیاں بھی حسی ہیں اور نفس میں اُن کے اثرات بھی حسی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ محسوسات کا محسوسات سے رشتہ اسباب و مسببات کی لائن کی ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ اُس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم جس حد تک اُس پر خواہ قائم کرنے کی ضرورت تھی وہ تفصیل سے گذر چکے ہیں جن کی رو سے واضح کر دیا گیا ہے کہ انسانی عیوب کے نتائج بد اور اُن کی بداعتدالیوں کے ثمرات کائنات کے گذرتے ہوئے آخر کار

وہ پھر انسانی ہی نفس کو تباہ کر دیتے ہیں + (باقی آئندہ)

توسیع اشاعت کیلئے فوری توجہ کی ضرورت

ایک درخواست جسے تشنۂ تکمیل نہیں رہنا چاہیئے

(سیّد محمّد ازہر شاہ قیصر)

گذشتہ دو تین ماہ سے کاغذ کی گرانی کی وجہ سے رسالہ کے مصارف میں ناقابلِ برداشت اضافہ ہو گیا ہے رسالہ کی رفتار اشاعت اگرچہ بدستور سابق ہے مگر نئے مصارف کے مقابلہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی۔ اللہ کا فضل ہے کہ رسالہ "دارالعلوم" بہت سی مشکلات کا مقابلہ کر کے حتی الوسع دینی اور علمی خدمات انجام دے رہا ہے، اور عالمِ اسباب میں اس کی زندگی اور کامیابی کا ذریعہ دارالعلوم کے مخلصین اور رسالہ کے قدردانوں کی مالی اور اخلاقی امداد بن گئی ہے لیکن کارکنانِ دفتر اس وقت جن نئی مُشکلات کا سامنا کر رہے ہیں اُن کا تحمل بھی ان حضرات کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔

خاص طور پر جنوبی افریقہ کے حضرات سے امداد کی درخواست ہے، جنوبی افریقہ میں کافی تعداد میں رسالے جا رہے ہیں۔ مگر اُن کا چندہ وصول نہیں ہوا۔ یہ حضرات اپنی پہلی فرصت میں اپنے نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ رقم بھیجدیں تو بڑی عنایت ہو۔

پاکستان کے دونوں حصّوں، ہندوستان اور برما کے حضرات سے بھی پُرزور گذارش ہے کہ رسالہ دارالعلوم کی توسیعِ اشاعت کے لئے ایک قدم اور بڑھا کر ہماری اِس توقع کو پُورا کریں جو ہمیں ان کے مکارم اخلاق سے ہے۔

یہ ایک ضروری درخواست ہے! جو سارے مخلصین "دارالعلوم" کی فوری توجہ کی مستحق ہے ✲

دوسری اور آخری قسط

علم کی شاہراہ پر چند قدم

حضرت امام شافعیؒ کا سفر نامہ

(مترجمہ۔ مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی)

ہارون رشید سے ملاقات

پھر میں ہارون رشید کے زمانے میں عراق آیا۔ بغداد کے پھاٹک میں قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نرمی سے کہنے لگا، آپ کا نام؟ میں نے کہا محمدؐ، کہنے لگا، باپ کا نام؟ میں نے کہا، ادریس شافعی، کہنے لگا، آپ مطلبی ہیں؟ میں نے اقرار کیا، تو جیب سے ایک تختی نکالی اور میرا بیان اُس میں قلمبند کر کے مجھے چھوڑ دیا۔ میں ایک مسجد میں پہنچا، اور سوچنے لگا، اُس آدمی نے جو کچھ لکھا ہے، دیکھا چاہیے، اس کا انجام کیا ہو؟ آدھی رات کے بعد پولیس نے مسجد پر چھاپہ مارا، اور ہر ہر آدمی کو روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔ آخر میری باری آئی، اور پولیس نے پکار کر لوگوں سے کہا "ڈرنے کی بات نہیں، جس آدمی کی تلاش تھی، مل گیا ہے" پھر مجھ سے کہا "امیر المومنین کے حضور چلو"!

میں نے پس و پیش نہیں کیا۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا، اور جب شاہی محل میں امیر المومنین پر میری نظر پڑی، تو صاف مضبوط آواز میں میں نے انھیں سلام کیا۔ امیر المومنین کو میرا انداز پسند آیا۔ سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا "تم کہتے ہو، کہ ہاشمی ہو؟" میں نے جواب دیا۔ "امیر المومنین، ہر دعویٰ کتاب اللہ میں باطل ہے!" امیر المومنین نے میرا نسب پوچھا میں نے بیان کر دیا، بلکہ آدم علیہ السلام تک پہونچا دیا۔ اِس پر امیر المومنین کہنے لگے "بے شک! یہ فصاحت و بلاغت، اولادِ مطلب ہی کا حصہ ہے! بتاؤ کیا تم پسند کروگے کہ مسلمانوں کا قاضی بنا کر تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کر لوں اور تم سنتِ رسول اللہؐ اور اجماعِ اُمت کے مطابق اپنا اور میرا حکم چلایا کرو؟" میں نے جواب دیا۔ "سلطنت میں شرکت کے ساتھ صبح سے شام تک بھی قاضی بننا مجھے منظور نہیں!" یہ سُنکر امیر المومنین رو پڑے پھر فرمایا "دُنیا کی اور کوئی چیز قبول کروگے؟" میں نے کہا "جو کچھ جلد مل جائے، قبول کروں گا" اس پر خلیفہ نے ایکہزار درہم کا حکم دیا اور یہ رقم مجھے رخصت ہونے سے پہلے ہی مل بھی گئی۔

واپسی پر خلیفہ کے غلام اور پیش خدمت دوڑ پڑے۔ مجھے گھیر لیا اور کہنے لگے "اپنے انعام میں سے ہمیں بھی کچھ دیجئے"۔ مروت نے اجازت نہ دی کہ خدا کا جو فضل مجھ پر ہوا تھا، اس میں دوسروں کو شریک کروں، میں نے رقم کے برابر برابر اتنے ہی حصے کئے جتنے آدمی تھے، سب کو بانٹنے کے بعد مجھے بھی اتنا ہی ملا جتنا ہر ایک کو میں نے دیا تھا۔

کتاب الزعفران کی تالیف

میں پھر اُسی مسجد میں لوٹ آیا جس میں اُترا تھا۔ صبح کو ایک نوجوان نے نماز کی امامت کی۔ اُس کی قرأت تو اچھی تھی، مگر علم کم تھا۔ نماز میں سہو ہو گیا۔ مگر اُسکی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ میں نے کہا: بھائی تم نے ہماری اور اپنی، سب کی نماز خراب کر دی۔ نوجوان نے پھر سے نماز پڑھائی۔ اب میں نے اُس سے کہا، کاغذ اور قلم دوات لے آؤ۔ میں تمہارے لئے باب سہو لکھ دوں۔ وہ فوراً سب سامان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن بھی کھول دیا اور

میں نے کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت کے مطابق ایک کتاب لکھ دی۔ کتاب کا نام اسی شخص کے نام پر "کتاب الزعفران" رکھا۔ یہ کتاب چالیس جز میں پوری ہوئی ہے۔

اب مجھے تین برس اور ہو چکے تھے۔ ہارون رشید نے اصرار کر کے نجران کی زکوٰۃ کا تحصیلدار بنا دیا تھا۔ اسی اثناء میں حاجی حجاز سے لوٹے، میں اُن سے امام مالک اور اپنے وطن کے حالات معلوم کرنے چلا۔ ایک نوجوان دکھائی دیا۔ وہ اونٹ پر قبّے میں بیٹھا تھا۔ میں نے اشارے سے سلام کیا۔ اُس نے شتربان کو اونٹ روکنے کا حکم دیا اور مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ میں نے امام مالک اور حجاز کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ کہنے لگا، سب ٹھیک ہے۔ میں نے امام مالک کے بارے میں دوبارہ سوال کیا، تو کہنے لگا "تفصیل کروں، یا مختصر جواب دوں؟" میں نے کہا، اختصار ہی میں بلاغت ہوتی ہے، کہنے لگا "تو سنو امام مالک تندرست ہیں اور بہت دولت مند ہو گئے ہیں!"

یہ سُنکر مجھے شوق ہوا کہ فقر و فاقے میں تو دیکھ چکا ہوں، اب امام مالک کو مال و دولت میں بھی دیکھنا چاہیے۔ میں نے نوجوان سے کہا "کیا تمہارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میرے سفر کی ضرورتیں پوری ہو جائیں؟" اس نے جواب دیا "آپ کی جدائی عراق والوں پر عام طور سے اور مجھ پر خاص طور سے بہت شاق ہوگی، مگر میرے پاس جو کچھ ہے، اُسے اپنا ہی سمجھ کے لے لیجیے!" میں نے کہا "سب مجھے دے دو گے، تو تم خود کس طرح زندگی بسر کرو گے؟" کہنے لگا "اپنی وجاہت کافی ہے" یہ کہہ کر اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا، اور کہا "سب نہیں لیتے تو جتنا جی چاہے لے لیجیے!" میں نے ضرورت بھر لے لیا اور علاقہ ربیعہ کی راہ لی۔

حجّام کی بدسلوکی

جمعہ کے دن میں حرّان پہنچا، اور فضیلتِ غسل یاد آئی۔ حمام گیا مگر جب پانی انڈیلا تو خیال آیا، سر کے بال چکٹ کر الجھ گئے ہیں، حجّام کو طلب کیا۔ تھوڑے بال کاٹنے پایا تھا کہ حمام میں شہر کا کوئی امیر آدمی آگیا اور حجّام کو اس کی خدمت کے لیے یاد کیا گیا۔ حجّام نے مجھے چھوڑ دیا، اور امیر آدمی کے پاس دوڑ گیا۔ پھر جب اُس سے چھٹی پائی تو میرے پاس واپس آیا، میں نے حجامت درست کرانے سے انکار کر دیا، مگر جب حمام سے جانے لگا، تو میرے پاس جو دینار موجود تھے، ان میں سے اکثر حجام کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا، "یہ لے لو، مگر خبردار کبھی کسی پردیسی کو حقیر نہ سمجھنا!" حجام نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا۔ فوراً حمام کے دروازے پر ایک بھیڑ لگ گئی اور لوگ مجھے ملامت کرنے لگے کہ اتنی بڑی رقم حجام کو کیوں دے دی!

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ شہر کا ایک اور امیر آدمی، حمام سے نکلا۔ اُس کے سامنے سواری حاضر کی گئی، مگر بھیڑ کے سامنے میں تقریر کر رہا تھا، اُس کے کان میں بھی پڑ گئی۔ سوار ہو چکا تھا، لیکن اُتر پڑا اور مجھ سے کہنے لگا "آپ شافعی ہیں؟" میں نے اقرار کیا، تو امیر آدمی نے سواری کی رکاب میرے قریب کر دی اور عاجزی سے کہنے لگا "برائے خدا، سوار ہو جائیے!" میں سوار ہو گیا غلام سر جھکائے آگے آگے چل رہا تھا، یہاں تک کہ امیر کا گھر آگیا۔

امیر کے دولت کدے میں

تھوڑی دیر میں خود امیر بھی آ پہنچا، اور بڑی بشاشت ظاہر کی، پھر دسترخوان بچھ گیا اور ہمارے ہاتھ دھلائے گئے، مگر میں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، امیر کہنے لگا، کیوں کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا، کھانا مجھ پر حرام ہے، جبتک یہ نہ بتا دو کہ تم نے مجھے پہچانا کیسے؟ امیر نے کہا "بغداد میں آپ نے جو کتاب لکھ کر سنائی تھی، اُس کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا، اس طرح آپ میرے اُستاد ہیں۔" یہ سُنکر میں نے کہا "علم دانشمندوں کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے؟" پھر میں نے ایسی خوش دلی سے کھانا کھایا کہ خدا جانتا ہے اپنے جیسے اہل علم کے ساتھ کھانے ہی میں یہ خوشی نصیب ہو سکتی ہے!

میں تین دن اس شخص کا مہمان رہا، چوتھے دن اس نے کہا، "حرّان کے اطراف میں میرے چند گاؤں موجود ہیں، اور یہ گاؤں ایسے ہیں کہ پورے علاقے میں ان کی نظیر نہیں، خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ یہاں رہ جائیں، تو سب گاؤں آپ کی خدمت میں

ہو یہ ہیں!" میں نے جواب دیا "سب گاؤں مجھے دے دو گے، تو خود تمہاری گزر بسر کیسے ہوگی؟" کہنے لگا "آپ وہ صندوق دیکھتے ہیں (اور اُس نے صندوقوں کی طرف اشارہ کیا) ان میں چالیس ہزار درہم موجود ہیں اِس رقم سے میں کوئی تجارت کرلوں گا!" میں نے کہا، لیکن خود مجھے یہ منظور نہیں۔ میں نے اپنا وطن محض تحصیلِ علم کے لئے چھوڑا ہے نہ کہ دولت کمانے کے لئے، وہ کہنے لگا "یہ تو سچ ہے مگر مُسافر کو رُوپے کی ضرورت ہوتی ہی ہے گاؤں نہ سہی نقد ہی قبول کر لیجئے"!

اس پر میں نے چالیس ہزار کی وہ پوری رقم لے لی۔ اُسے خُدا حافظ کہا، اور حرّان سے اس حال میں روانہ ہوا کہ آگے پیچھے بوجھ لدے جا رہے تھے۔ رستے میں اصحابِ حدیث ملے اُن میں احمد بن حنبل، سفیان بن عیینہ اور اوزاعی بھی تھے۔ میں نے ہر ایک کو اس قدر دیا، جتنا اس کے مقدر میں تھا۔

امام مالکؒ کی امارت

جب میں شہر رَملہ پہنچا، تو میرے پاس اس چالیس ہزار میں سے صرف دس دینار باقی تھے۔ میں نے کرائے پر سواری لی اور حجاز کو روانہ ہوگیا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا آخر ستائیسویں دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر (مدینہ) پہونچ گیا نماز عصر کے بعد میرا داخلہ ہوا تھا مسجد میں نماز پڑھی، اب کیا دیکھتا ہوں، لوہے کی ایک کُرسی مسجد میں رکھی ہے کُرسی پر بیش بہا قباطی مصر کا تکیہ جما ہوا ہے، اور تکیئے پر لکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ!"

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ "باب النبی" صلے اللہ علیہ وسلم سے آتے دکھائی دئے، پوری مسجد عطر سے مہک اُٹھی امام مالکؒ کے ساتھ چار سو یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع تھا، چار آدمی اُن کے جبّے کے دامن اُٹھائے چل رہے تھے امام مالک اپنی مجلس میں پہونچے، تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہو گئے۔

امام مالک کُرسی پر بیٹھ گئے اور جراح عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا، اور میں نے قریب کے آدمی کے کان میں کہا، اس مسئلے کا یہ جواب ہے۔ اُس شخص نے میرا بتایا ہوا جواب اونچی آواز سے سنا دیا

مگر امام مالکؒ نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور شاگردوں سے جواب کے طالب ہوئے، شاگردوں کے سب جواب غلط تھے۔ امام مالکؒ نے کہا، تُم غلطی پر ہو۔ پہلے ہی آدمی کا جواب صحیح ہے! یہ سُنکر وہ جاہل بہت خوش ہوا، امام مالکؒ نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ جاہل میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے پھر جواب بتا دیا۔ اِس دفعہ بھی امام مالک کے شاگرد صحیح جواب نہ دے سکے اور اس جاہل کی زبانی میرا ہی جواب ٹھیک نکلا!۔

تب تیسرے مسئلے پر بھی یہی صورت پیش آئی تو امام مالک اس جاہل کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا۔ "یہاں آؤ۔ وہ جگہ تمہاری نہیں ہے!" آدمی، امام مالک کے پاس پہنچا، تو انہوں نے سوال کیا "تم نے موطا پڑھی ہے؟" جاہل نے جواب دیا، نہیں، امام مالکؒ نے پوچھا "ابن جریج کے علم پر تمہاری نظر ہے؟" اس نے پھر کہا، نہیں۔ امام مالکؒ نے پوچھا! "جعفر بن صادق سے ملے ہو؟" کہنے لگا، نہیں، اب تو امام مالکؒ کو تعجب ہوا، کہنے لگے "پھر یہ علم تمہیں کہاں سے ملا؟" جاہل نے جواب دیا "میری بغل میں ایک نوجوان بیٹھا تھا اور وہی مجھے ہر مسئلے کا جواب بتا رہا تھا!"

اب تو امام مالکؒ نے میری طرف گردن پھیری دوسروں کی گردنیں بھی اُٹھ گئیں اور امام مالک نے اس جاہل سے کہا "جاؤ اور نوجوان کو میرے پاس بھیجدو۔" میں امام مالک کے پاس پہنچا اور اُسی جگہ بیٹھ گیا، جہاں سے جاہل اٹھا تھا۔ وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا "شافعی ہو؟" میں نے عرض کیا، جی ہاں شافعی ہوں!۔ امام مالک نے مجھے گھسیٹ کر سینے سے لگالیا، پھر کرسی سے اُتر پڑے اور کہا "علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں، تم اُسے پُورا کرو" میں نے حکم کی تعمیل کی اور جراح عمد کے چار سو مسئلے پیش کئے، مگر کوئی آدمی بھی جواب نہ دے سکا!۔

امام مالکؒ کی سیر چشمی

اب سُورج ڈُوب چکا تھا۔ ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور امام مالک نے میری پیٹھ ٹھونکی۔ پھر اپنے گھر لے گئے۔ پُرانے کھنڈر کی جگہ اب نئی عمارت کھڑی تھی۔ میں بے اختیار رونے لگا۔ یہ دیکھ کر امام مالکؒ نے کہا، "ابو عبداللہ تم روتے کیوں ہو؟ شاید سمجھ رہے ہو کہ میں نے دُنیا کے بدلے

آخرت تج دی ہے!" میں نے جواب دیا "جی ہاں یہی اندیشہ دل میں پیدا ہوا تھا!" کہنے لگے "تمہارا دل مطمئن رہے، تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں! یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو، ہدیہ ہے خراسان سے مصر، دُنیا کے دُور دُور گوشوں سے ہدیوں پر ہدیے چلے آ رہے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم، ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور صدقہ رد کر دیتے تھے۔ میرے پاس اس وقت خراسان اور مصر کے اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑوں کے تین سو خلعت موجود ہیں غلام بھی اتنے ہی ہیں، اور معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اب یہ سب میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ ہے! صندوقوں میں پانچہزار دینار رکھے ہیں اس کی سالانہ زکوٰۃ نکالتا ہوں، اس میں سے بھی آدھی قسم تمہاری ہے!"۔

میں نے کہا "دیکھئے آپ کے بھی وارث موجود ہیں اور میرے بھی وارث زندہ ہیں۔ آپ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے اسکی تحریر ہو جانا چاہئے، تحریر سے میری ملکیت مسلّم ہو جائے گی اگر میں مر گیا تو اس سب کو آپکے وارث نہ لے سکیں گے بلکہ میرے وارثوں کو مل جائیگا اسی طرح خدانخواستہ آپ کی وفات ہو گئی تو بھی یہ آپکے وارثوں کا نہیں، میرا ہو جائے گا!"۔

یہ سُنکر امام مالک مسکرائے اور فرمایا "یہاں بھی علم ہی سے کام لیتے ہو!" میں نے جواب دیا "علم کے استعمال کا اِس سے بہتر موقعہ اور کون ہو سکتا ہے!" امام مالکؒ نے رات ہی میں تحریر مکمل کر دی

امام مالک کا تقویٰ

صبح میں نے نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد سے ہم اِس حال سے گھر لوٹے کہ میرا ہاتھ امام مالک کے ہاتھ میں تھا اور امام مالک کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے ہیں، گھوڑوں کی کونچیں کیا بتاؤں کیسی حسین تھیں میرے مُنہ سے نکل گیا "ایسے خوبصورت پاؤں تو میں نے کبھی دیکھے نہیں!" امام مالکؒ نے فوراً جواب دیا "یہ سب سواریاں بھی تمہارے لئے ہدیہ ہیں!" میں نے عرض کیا۔ "کم سے کم ایک جانور تو اپنے۔ لئے رہنے دیجئے!" اس پر مالک نے جواب دیا "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو میری سواری اپنی ٹاپوں سے روندے، جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں!"۔

یہ سُنکر مجھے یقین ہو گیا کہ دولت کی اس بہتات میں بھی امام مالک کا تقویٰ، بدستور باقی ہے!

وطن کو واپسی

تین دن امام مالکؒ کے گھر میں قیام رہا۔ پھر میں مکہ کو روانہ ہو گیا، مگر اس حال سے کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر و برکت اور مال و متاع کے بوجھ آگے آگے جا رہے تھے، میں نے ایک آدمی پہلے سے مکے بھیجدیا تھا کہ واپسی کی خبر پہنچا دے، اِسی لئے جب حدود حرم پر پہنچا تو بوڑھی کچھ عورتوں کے ساتھ دکھائی دیں۔ بوڑھی نے مجھے گلے لگایا۔ پھر ایک اور بڑھیا نے بھی کیا، میں اس بی بی سے مانوس تھا اور اُسے خالہ کہا کرتا تھا۔ بڑھیا نے مجھے چمٹاتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

ما امات اجتاحت المنایا

کل فؤاد علیک ام

("موت تیری ماں کو بہا نہیں لے گئی مامتا میں ہر دل تیرے لئے ماں۔ ہے"۔)

یہ پہلا بول تھا، جو مکے کی سرزمین پر میرے کانوں نے سُنا۔ پھر میں نے آگے بڑھنا چاہا، مگر بوڑھی کہنے لگیں "کہاں" میں نے کہا، گھر چلیں۔ بوڑھی نے جواب دیا "ہیہات۔ کل تو مکے سے فقیر کی صورت میں گیا تھا اور آج امیر بن کے لوٹا ہے تاکہ اپنے چچیرے بھائیوں پر گھمنڈ کرے!" میں نے کہا "پھر تم ہی بتاؤ کیا کروں؟" کہنے لگیں "منادی کر دے کہ بھوکے آئیں اور کھائیں، پیدل آئیں اور سواری لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑا پہن جائیں! اِس طرح دُنیا میں بھی تیری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا ثواب اپنی جگہ رہے گا!"

میں نے بوڑھی کے حکم پر عمل کیا، اِس واقعہ کی شہرت دُور دُور پھیلی۔ امام مالکؒ نے بھی سُنا اور میری ہمت افزائی کی۔ کہلا بھیجا۔ "جتنا دے چکا ہوں اتنا ہی ہر سال تمہیں پہنچاتا رہوں گا!"۔

مکے میں میرا داخلہ اس حال میں ہوا کہ ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا اس دولت میں سے میرے پاس کچھ باقی نہ تھا، جو ساتھ آئی تھی راہ میں اتفاق سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا، ایک کنیز نے

(بقیہ برصفحہ ۴۵ کالم ۲ پر)

"اسلام کے قوانین قناعت!"

(مولانا ظفیر الدین دار العلوم معینیہ مخیہ سیا ضلع مونگیر)

موجودہ دور میں "پیٹ" کو عوام وخاص میں جو اہمیت حاصل ہے، وہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں، دنیا میں "پیٹ" کے نام پر جنگ اور فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہے، جو انسانوں کو موت سے ہمکنار کر رہی ہے، اور جس کی لپیٹ نے امن وامان اور سکون اطمینان کو عنقا بنا رکھا ہے، یہ وہ آگ ہے جس میں امیر وغریب، دیہاتی اور شہری سب جل کر بھسم ہو رہے ہیں۔

اس وقت کوئی پارٹی اور جماعت کامیابی کا میدان جیت نہیں سکتی جب تک بھوک اور افلاس کا رونا نہ روئے، اور "پیٹ" کی دہائی نہ دے۔ ہر جگہ سے اس کی صدا بلند ہے، اور اسی کا صور پھونکا جا رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے انسان حرص وآز کے سمندر میں غرق ہوتا جا رہا ہے، اور ایک انسان دوسرے انسان کے خون سے اپنی تشنگی بجھانا چاہتا ہے۔

بلاشبہ پیٹ کا سوال اس لائق ہو کہ اسے حل کیا جائے، اور بھوک اور افلاس کی بڑھتی ہوئی وبا سے انسانوں کو بچایا جائے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اس ایک مسئلہ میں اس طرح الجھ کر رہجائے کہ دنیا کے دوسرے سارے مسئلے اپنی جگہ لاینحل ہو کر رہ جائیں اور انسانوں کی ایک بڑی جماعت صرف پیٹ کی فکر میں جان دیدے۔

انسان کو آسودگی اس وقت نصیب ہو سکتی ہے، جبکہ پیٹ کے سوال کے ساتھ قناعت کا مسئلہ بھی سمجھایا جائے اور دنیا کو بتایا جائے کھانا زندگی کی بقاء کے لئے ہے، زندگی کھانے کے لئے نہیں ہے، تم اتنا حاصل کرو، جو تم کو کافی ہو، ضرورت سے جو حصہ زیادہ ہو اس کے جمع کرنے میں اپنی جان نہ کھپاؤ، چنانچہ اسلام نے اس مسئلہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا، اور پیغمبر اسلام نے انسانوں کی جماعت کو پیام دیا کہ سب سے پہلے اپنے اندر قناعت کا جذبہ پیدا کرو، اور پیٹ کو اتنی اہمیت ہرگز نہ دو، جو تمہارے سکون قلب کو گھن لگادے اور تمہارے امن امان کی مٹی پلید کر ڈالے۔

رب العزت نے اعلان کیا:۔

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔ "زمین پر جتنے چلنے والے ہیں تمام کی روزی کا ذمہ دار اللہ تعالےٰ ہے"

اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ انسان یقین کرے کہ پروردگار عالم بندوں کے رزق سے غافل نہیں اور یہ یقین پیدا کر کے خونریزی اور قتل وغارت گری سے ہاتھ اٹھائے، خوف وہراس اور فتنہ وفساد پیدا نہ کرے، اعتماد واعتقاد کی دولت بڑی دولت ہے، جب تک دولت حاصل نہیں ہوتی، انسان افکار کے ہجوم سے نجات نہیں پا سکتا، اور کبھی بھی اس کو دل کا اطمینان میسر نہیں آسکتا۔ پیغمبر اسلام نے زندگی کے اس نقشہ کو عمل میں لاکر افراد نوع انسانی کے سامنے پیش کیا، خدا کا لاڈلا ہونے کے باوجود کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کئی شام کا فاقہ کیا، بھوک سے نڈھال ہو کر شکم مبارک پر پتھر باندھے، کاشانۂ نبوی میں کئی کئی دن آگ نہ جلی، اور چولہا گرم نہ ہوا، صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کئی کئی دن بھوکی رہی جنگلی درختوں کے پتے کھا کر زندگی کو قائم رکھا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا:۔

لیس الغنی عن کثرۃ العرض "تونگری سامان کی کثرت سے نہیں ہے"

ولکن الغنی غنی النفس "تونگری بس نفس کی تونگری ہے"

متفق علیہ (ریاض الصالحین باب القناعۃ والعفاف الخ)

لالچ جب تک دور نہیں ہو جاتی اُس وقت تک مال کی کثرت بھی کارگر نہیں ہوتی، حرص کی بیماری اگر باقی ہے تو پھر یہ انسان کو کسی کروٹ چین نہیں لینے دے سکتی، وہ کانٹا بن کر انسان کے قلب و جگر کو زخم لگائیگی اور ناصور بنکر رستی رہے گی، حریص انسان سونا چاہے گا مگر اُس کو اطمینان بھری نیند میسّر نہیں ہو سکتی، لالچی آدمی کھائے گا مگر اُسے آسودگی نصیب ہوگی، اور حرص و آز کا بندہ خزانہ گن گن کر رکھے گا مگر پھر بھی صبر و اعتماد میسّر نہ ہوگا۔ اِسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قد افلح من اسلم و رزق کفافا — "کامیاب وہ ہے جو مسلمان ہوا اس کو
وقنعه الله بما آتاه رواہ مسلم — بقدر ضرورت رزق دیا گیا، اور جو کچھ اللہ
(ریاض الصالحین ص۲۶۳) — نے دے رکھا ہے اس پر اسے اللہ نے
قناعت بخش دی"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ برداشت نہیں فرمایا کہ کوئی لالچ میں آکر دستِ سوال دراز کرتا رہے، اور قناعت کی دولت سے اپنے دامن کو خالی رکھے، گو مانگنے والے کو کبھی مایوس اور محروم نہ پھیرا، مگر نصیحت کرنے سے بھی نہ چوکے۔ حضرت حکیم بن حزام صحابی رض اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں، کہ ایک دفعہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ نے عطا فرمایا۔ پھر سوال کیا، آپ نے پھر عطا فرمایا۔ اسکے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا "اے حکیم! یہ مال و دولت شاداب اور شیریں ہے جس کی طرف دل کھنچتا ہے، جو شخص اسے بغیر حرص و آز کے لیگا اُس کو برکت دی جائے گی، اور جو اسے نفس کی طمع کے ساتھ لے گا اُسے برکت نصیب نہ ہوگی، بلکہ اُس شخص کی طرح ہوگا جو کھاتا ہے مگر آسودہ نہیں ہوتا، اور یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے" حضرت حکیم رض فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت سُنکر میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اُس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا۔ آپ کے بعد کسی سے کچھ قبول نہ کروں گا، چنانچہ موت کے وقت تک ان کا یہی حال رہا، حضرت ابوبکر رض اپنے زمانہ خلافت میں حضرت حکیم رض کو عطیہ پیش کرنے کے لئے بُلاتے مگر یہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رض بلاتے اور یہ عطیہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمانوں کے مجمع میں یہ اعلان فرماتے کہ حکیم رض کو مالِ فئی سے اُن کا حصّہ پیش کرتا ہوں مگر وہ انکار کر رہے ہیں۔ اسی حدیث میں ہے کہ وفات فرما گئے مگر کسی کا کوئی عطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قبول نہ کیا۔[1]

واقعہ یوں ہی ہے کہ جو خوددار اور غنی بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہے ربّ العزت اُسے رُسوائی سے بچا لیتا ہے اور اُس کی خودداری اور غنا کو باقی رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ومن يستعفف يعفه الله — "جو دستِ درازی سے بچنا چاہتا ہے
ومن يستغن يغنه الله — اللہ اُسے بچا لیتا ہے اور بے نیاز رہنا
متفق علیہ (ریاض الصالحین ص۲۶۶) — چاہتا ہے اللہ اُسے بے نیازی عطا کرتا ہے"

اِس دُنیا میں غور فرمایا جائے تو قدم قدم پر اس کی تصدیق ہوگی اِس روئے زمین پر خُدا کی بے شمار مخلوقات بستی اور زندگی گذارتی ہیں، حیوانات اور پرندوں کے جمِ غفیر کو دیکھئے، لاکھوں قسم کے جاندار کیڑے مکوڑوں کو ملاحظہ کیجئے۔ ان سب کو غیب کے خزانے سے رزق مل رہا ہے، ان کی قناعت نے اُن کو کبھی رُسوا نہ ہونے دیا۔ مگر ایک انسان ہے جس نے اللہ تعالےٰ پر توکل اور قناعت کرنا چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چوبیس گھنٹے رات دن "پیٹ، پیٹ" چیخ رہا ہے، ہزاروں جتن کرتا رہتا ہے لیکن پیٹ ہے جو نہیں بھرتا، اس کی بھوک اور اس کا فاقہ اور بھی بڑھتا جا رہا ہے —— اور خود انسانی کائنات میں بھی غور کریں گے تو معلوم ہوگا کچھ لوگ ہیں جو بڑے اطمینان کی زندگی گذار رہے ہیں، نہ وہ سوال کرتے ہیں، نہ کوئی شور و غل مچاتے ہیں، اور نہ کوئی ایجی ٹیشن کرتے ہیں مگر رزق کے سامان ہیں جو اُن کے قدموں پر نثار ہو رہے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے اس بات پر بھی بیعت لیتے تھے:۔

ولا تسألون الناس شيئا۔ — "تم لوگوں سے کسی چیز کا سوال
(ریاض الصالحین ص۲۶۷) — نہ کرو گے"۔

اور اس کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کرام میں سے کسی کا کوڑا گر جاتا تھا تو یہ اُتر کر خود اُٹھا لیتے تھے، مگر کسی سے اُٹھانے کو نہیں کہتے تھے، کیونکہ

---

[1] ریاض الصالحین عن البخاری و مسلم باب القناعۃ والعفاف ۱۲۔

وہ سمجھتے تھے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہے۔ اقبال مرحوم نے اسی کو کہا تھا

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غنی ایسے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

سماں الفقر فخری کا رہا شانِ امارت میں
بآبِ رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

اور صحابہ کرام معمولی سوال کی ہمت بھی کیسے کرتے اُن کے سامنے پیارے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا:—

لاتزال المسألة باحدکم حتی یلقی اللہ ولیس فی وجھہ مزعة لحم۔ متفق علیہ۔ (ریاض الصالحین ص۶۳)

"بعض برابر سوال کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی حالت میں حاضر ہوں گے کہ اُن کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔"

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ جو زیادہ مانگتا ہے وہ آگ کے انگارے جمع کرتا ہے اب اُسکو اختیار ہے کہ کم جمع کرے یا زیادہ۔ کسی موقع سے آپ نے فرمایا کہ سوال آدمی کے چہرے کو بے رونق کر دیتا ہے، ہاں! صاحبِ حکومت سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے یا ایسی ضرورت کے وقت جس سے کوئی چارہ کار نہ ہو، سوال کیا جا سکتا ہے۔ حکومت سے تو اس لئے حق مطالبہ ہے کہ حکومت ذمہ دار ہے، کہ اپنے ملک والوں کی ضرورت پوری کرے، اہل ملک کے پیٹ کا مسئلہ حل کرے، اس کے کپڑے کا سامان کرے اور جن لوگوں کو رہنے سہنے اور دھوپ، بارش اور سردی سے بچنے کے لئے مکان نہیں ہے، ان کے لئے گھر کا سامان فراہم کرے۔

ابن حزم رحمہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے:—

وفرض علی الاغنیاء من اھل کل بلد ان یقوموا بفقرائھم ویجبرھم السلطان علی ذالک ان لم تقم الزکوٰة بھم ولا سائر اموال المسلمین بھم فیقام لھم بما یاکلون من القوت الذی لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذالک وبمسکن یکنھم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة (المحلی ج۶ ص۱۵۶)

"تمام شہر کے مالداروں کا فریضہ ہے کہ وہ وہاں کے محتاجوں کی ذمہ داری قبول کریں اور یہ ذمہ داری قبول کریں گے تو سلطان ان کو اس کام پر مجبور کریگا، اگر زکوٰۃ اور دوسرے صدقات سے اُن کی ضرورت پوری نہ ہو تو ان کے لئے رزق کا سامان کیا جائیگا جو اُن کے لئے ضروری ہے اور اسی طرح جاڑے اور گرمی کے لباس فراہم کئے جائیں گے اور ایک ایسا گھر جو اُن کو بارش، گرمی اور دھوپ سے محفوظ رکھ سکے اور وہ اسمیں اطمینان سے رہ سکیں"

ابن حزمؒ ہی نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:—

"مالداروں پر فرض ہے کہ جتنے مال سے محتاجوں کی ضرورتیں پوری ہو سکیں اپنے مال سے عطا کریں۔ محتاج اور فقراء بھوک سے مریں، کپڑے بغیر رہیں اور ان کی محنت اُن کی ضرورتوں کی تکمیل نہ کر سکے، اور ایسی حالت میں مالدار ان غریبوں کی کوئی مدد نہ کریں، اور وہ اُن کی ضرورتوں کی فراہمی سے ہاتھ اُٹھالیں تو اللہ پر حق ہے کہ ان مالداروں سے قیامت میں بازپرس کرے اور اُن کو اس کی سزا میں عذاب میں گرفتار کرے[۱]۔"

اور دوسرا موقعہ جہاں سوال کی اجازت ہے، اُس وقت جب بالکل مجبوری ہو، اور سوال کے سوا کوئی اور راہ باقی نہ رہ جائے۔ یہ مسئلہ بھی ظاہر ہے، کہ مجبوری اور اضطرار کے وقت شریعت نے توسع سے کام لیا ہے۔

ماحصل یہ ہوا کہ ان دو موقعوں کے سوا آدمی سوال کی ذلت میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرے، بلکہ اجتناب کرے اور اپنی جد و جہد سے اپنی روزی کمائے، اور جو کچھ مل جائے، اس پر قناعت کرے، اللہ تعالےٰ اسی میں برکت عطا کرے گا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو کسی سے لپٹ کر مانگتا ہے، اور آدمی مجبور ہو کر اُسے دیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی ہے اس لئے اس طرح مانگنے سے بچو کہ جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ تنگ ہو جائے۔"

سوال کرنا ایک ذلت ہے اور اس سے پرہیز انسانی فریضہ ہے ہر شخص کو سعی کرنی چاہئے کہ اس کی آبرو محفوظ رہے، اور عزت و شرافت کے ساتھ زندگی گزارے، اگر وہ اس کا عزم کرے گا رب العزت اسکی ضرورتیں بغیر سوال کسی نہ کسی طرح ضرور پوری فرمادیگا۔ اسی بنیاد پر آنحضرتؐ نے ایک دفعہ فرمایا:—

من تکفل ان لا یسأل الناس شیئاً اتکفل له بالجنة (رواہ ابو داؤد)

"جو شخص اس کا عہد کرے کہ وہ کسی سے کوئی چیز سوال نہ کریگا تو میں اس کے لئے جنت کا ذمہ دار ہوں"

[۱] المحلی ج۶ ص۱۵۸۔ یہ سب حضرت مولانا گیلانی مدظلہ نے گیلانی کی ایک حاضری کے موقع پر دکھلایا۔

ہاں! اگر بغیر مانگے خود بخود مل جائے اور اسکو ضرورت ہو تو لے لے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، شریعت میں اسکی اجازت مذکور ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو کچھ عطیہ پیش فرماتے تو کہتے، کہ یہ اُن کو دیجئے جو مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے لے لو۔ جو مال بے مانگے آجائے، اور تم کو اس میں حرص بھی نہ ہو، تو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں

اخا جاءک من ہذا المال شیٔ	"تمہارے پاس مال سے جب کوئی چیز
وانت غیر مشرف ولا سائل	اس طرح آجائے کہ تم کو اس میں نہ حرص ہو
فخذہ فتمولہ فان شئت	اور نہ دست سوال دراز کرو، تو لے لو اور
تصدق بہ۔ رواہ ابوداؤد۔	اُس سے اپنی مالی حالت درست کرو،
ریاض الصالحین ص ۲۶۸	جی چاہے کھاؤ، جی چاہے صدقہ کرو"

یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ ایسا مال جس میں کوئی لالچ نہیں، نفس کی حرص قابو میں ہے اور وہ بے مانگے آرہا ہے تو آدمی قبول کرلے، اب وہ اپنے صواب دید کے مطابق اپنی ضرورت میں صرف کرے، یا مناسب سمجھے تو صدقہ کردے اور اپنی روزی اپنی کمائی سے ہی حاصل کرے، اسی روایت میں جو اُوپر نقل کی گئی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ دستور ہوگیا تھا، کہ کسی سے مانگتے نہیں تھے، مگر جو خود بخود دیدیتا تھا، اُس کو واپس بھی نہ کرتے تھے۔

امام شافعیؒ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ میں تعلیم کے لئے نکلا اور امام مالکؒ کی خدمت میں مدینہ منورہ روانہ ہوا، تو میرے ساتھ معتقد بزرگوں نے حسن سلوک کیا، اور میں نے قبول کیا، خود امام مالکؒ نے اس وقت کافی رقم پیش کی جس وقت یہ امام محمدؒ کی خدمت میں روانہ ہورہے تھے، پھر امام محمدؒ کی خدمت میں پہونچے اور وہاں سے پلٹے تو امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کی خدمت میں کافی رقم پیش کی، اور انہوں نے قبول کرلیا، اور پلٹ کر جب دوبارہ امام مالکؒ کی خدمت میں تشریف لائے تو امام مالکؒ نے ایک گرانقدر رقم امام موصوف کو عطا کی، اور انہوں نے اُسے قبول کیا، گو یہ بڑی بڑی رقمیں امام شافعیؒ نے صرف اپنی ضرورتوں ہی میں صرف نہیں کیں، بلکہ اس کا بڑا حصہ ضرورت مندوں اور محتاجوں پر تقسیم کردیا۔ بلکہ گھر پہونچتے پہونچتے

مفقود ہوگئے۔

اسلام نے اس کی کوشش کی ہے کہ انسان قناعت سے کام لے، پیٹ کو اتنی اہمیت نہ دیدے کہ سارے فتنوں کا سرچشمہ یہی بنجائے، اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی عسرت کے ساتھ گذاری اور اس پر اپنی مسرت کا اظہار کیا، دولت کی حرص سے روکا اور قناعت کی تعلیم دی، کبھی دعا کی تو بس اس قدر کہ :-

اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔ متفق علیہ (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)	"اے اللہ! آل محمد کو اتنا رزق دے جو اس کو کافی ہو"

اور برابر صحابہ کرام کو بھی تعلیم دی کہ جو چیز تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو وہ اپنے بھائی کو دے دو کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرے، چنانچہ صحابہ کرام کی زندگی میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ دینے میں بڑے سخی تھے، اپنی ضرورت سے زیادہ جو دولت ہوتی، اسکو بڑی سخاوت سے لوگوں پر خرچ کرتے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ ان تمام فتنوں سے پاک ہے جو بعد میں پیدا ہوئے۔

ضرورت ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم عالمگیر کی جائے، اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کی جائے، کیونکہ آج سرمایہ داروں نے ضرورت سے زیادہ دولت اپنے پاس روک کر غریبوں کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کردیا ہے اور دنیا کے غریب اور مزدور خونی انقلاب کی جدّوجہد میں مصروف ہیں۔

اسی کے ساتھ جو حاجت مند ہیں اُن کی ذہنی اصلاح کی جائے کہ وہ قناعت کی اس تعلیم پر عمل کریں، جس کی اسلام نے انسانوں کو تعلیم دی ہے، ہر شخص میں یہ جذبہ ہو کہ کم سے کم دولت میں اپنی ہر ضرورت پوری کرے، اور اس خواہش کو ترک کردے کہ دنیا کی ساری دولت سمٹ کر میرے ہی گھر میں آجائے، دوسرا غریب ہوجائے، اور اس کے کھنڈروں پر یہ اپنا محل تیار کرے۔

افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر جب تک انسان اعتدال کی راہ اختیار نہیں کرتا، دنیا میں امن وامان اور اطمینان و سکون پلٹ نہیں سکتا، مالداروں اور سرمایہ داروں کی یہ ہوس کہ دنیا کی ساری دولت ہمارے گھروں میں آجائے اور غریبوں کا یہ جذبہ کہ ان کا مطالبہ خوراک، تن بدن

بڑھتا ہی جائے۔ دونوں ہی صورتیں خطرناک ہیں اور یہ دونوں ہی ہلاکت کے باعث ہو سکتے ہیں۔

موجودہ دُنیا کے سارے فتنے صرف اس لئے برپا ہیں کہ پیٹ کا سوال بڑھتا جا رہا ہے، اور دُنیا کی دولت پر لوگ جان دینے لگے ہیں۔ کوئی لیڈر نہیں جو یہ کہہ سکے کہ آخر پیٹ ہی کا سوال اتنا اہم کیوں ہے

تم قناعت کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کرتے

اسلام نے دُنیا اور دُنیا کی دولت کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اس کی وقعت مچھر کے پَر کے برابر نہیں ہے، اس کا منشاء اور باتوں کے ساتھ یہ بھی تو ہے کہ انسان میں قناعت پیدا ہو اور اس کی ذہنی اصلاح ہو۔ جب تک اسکے دماغ میں کوئی ایسی چیز ڈالی نہیں جاتی ان کی ہوس رُکنے والی نہیں ہے بلکہ ھل من مزید کا نعرہ بلند ہی ہوتا رہے گا۔

اسلام نے ایک طرف سرمایہ داروں پر غریبوں کا حق ثابت کیا، اور ان سے ان کے مال کا ایک حصّہ محتاجوں کے نام پر نکلوا کر ان میں تقسیم کیا، اور بتایا کہ جبتک محتاج اور مسکین کا پیٹ نہ بھر جائے تم دولت گھر میں جمع نہیں رکھ سکتے، کچھ ایسی شکل اختیار کی اور اسکی ترغیب دی کہ مالدار اگر اُس کا ایمان خُدا اور رسول پر ہے تو اُس وقت تک چین سے سو نہیں سکتا، جبتک غریبوں، بیکسوں، یتیموں، بے نواؤں اور محتاجوں کو اطمینان و سکون کے ساتھ رزق نہیں مل جاتا۔ اور دوسری طرف امیر و غریب میں سے ہر ایک کو فہمائش کی ترغیب دی اور اس پر آمادہ کرنے کی سعی کی کہ وہ قناعت سے کام لیں، حرص و آز کو چھوڑ دیں اور جو مل جائے، اُس پر گذارہ کریں۔

دُنیا کمانے کی جگہ ہے لہذا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے، کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے، اور انسان اپنی جدّوجہد اور سعی و محنت کو چھوڑ دے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ اپنی محنت و کاوش کو برقرار رکھا جائے، مگر اس طرح کہ خُدا پر بھروسہ ہو، اور جو کچھ مل جائے اُس پر قناعت کرے، اس فکر میں جان نہ دیدے، کہ ہمارے پاس لاکھوں کی جائداد کیوں نہ ہوئی، یا دولت کمانے میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ جائز و ناجائز کی ساری بحث سے قطع نظر کرلے، ظلم و جور اور تعدّی کو اپنا پیشہ اور دستور بنالے۔

اِس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ دُنیا میں جب تک "قناعت" کی اشاعت نہیں ہوتی، اور دُنیا اس پر عمل نہیں کرتی، فاقہ، بھوک اور افلاس بڑھتا ہی جائے گا۔ کم نہ ہوگا، اور قناعت کا مسئلہ عوام میں مقبول اُس وقت تک نہ ہوگا جب تک دُنیا کے صدر جمہوریہ صدر مملکت، وزرائے اعظم، اور دوسرے سربرآوردہ پیغمبرِ اسلام کے نقشِ قدم پر چل کر خود بھوک و افلاس کی زحمت برداشت نہ کریں، اور دولت اور عیش و آرام کو بے وقعت ثابت نہ کردیں +

بائیسویں قسط:-

احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن!

(حضرت مولٰنا مناظر احسن گیلانی)

(۲)

ہماری طلبہ کی اس ٹولی کا ایک خاص مشغلہ "شکار" بھی تھا آبی یا بحری شکار کے لئے خدا جانے ان لوگوں نے کہاں سے جال بھی مہیا کر لیا تھا۔ اور دسمبر، جنوری کی راتوں میں جال کو لے کر ایک بجے ۲ بجے کے بعد عموماً نالابوں میں یہ اتر پڑتے، اور مچھلیوں کا شکار کرتے بعض دفعہ ایک خاص قسم کی مچھلی کسی کو کاٹ بھی کھاتی تھی زہر اس کے کاٹنے کا تقریباً بچھو کے زہر جیسا ہوتا تھا، نام اس مچھلی کا سینگی یا قریب قریب یہی تھا۔ اسی طرح بری شکاروں کا سلسلہ بھی جاری تھا جن میں سب سے زیادہ اہم جنگلی کبوتروں کا شکار تھا۔ دیوبند کے اطراف و جوانب میں گنّوں کی کاشت کا رواج بہت زیادہ ہے، گرمیوں کے موسم میں پانی دینے کے لئے تقریباً ہر کھیت میں کچے کنویں کھود لئے جاتے تھے۔ ان ہی صحرائی کنوؤں میں جنگلی کبوتر راتوں کو بسیرا لیا کرتے تھے، کھیتوں کے ان کچے کنوؤں میں عموماً طاق جیسے سوراخ ہوتے تھے جن میں کبوتروں کو پناہ مل جاتی تھی، یہ شکاری مہم بھی راتوں ہی میں انجام پاتی تھی، کبھی کبھی فقیر بھی "شب شکاری" کی اس مہم میں اس "ٹولی" کے ساتھ رات رات بھر کھیتوں اور میدانوں میں بھٹکتا رہا ہے، مگر اس ٹولی کا سب سے زیادہ عضو ضعیف شمار کیا گیا۔

بہرحال سرخیل تو شکاریوں کی اس ٹولی کے حکیم منظر حسن صاحب ہی ہوتے۔ خدا جانے کس طرح پتہ چلا لیتے کہ اس کنویں میں کبوتروں کی کافی تعداد ہے۔ یہ فیصلہ کر کے جال پہلے کنویں کے منہ پر پھیلا دیا جاتا، اور ایک رسہ جو ساتھ رہتا تھا اسی کو ہاتھ میں پکڑ کر حکیم صاحب اپنے خاص رفقاء کے ساتھ کنویں میں اتر جاتے۔ ان لوگوں کے اترنے کے ساتھ ہی کبوتر اڑنے لگتے، کنویں سے باہر نکلنا چاہتے، لیکن جال میں گرفتار ہو جاتے، اور کچھ ایسے بھی ہوتے جو کنوؤں کے ان خانوں میں پکڑے جاتے جو قدم جمانے کے لئے کاشتکاران کنوؤں میں بنا دیا کرتے تھے، یا واللہ اعلم خود کبوتر اپنی چونچوں سے کھود کھود کر اپنے رہنے کی جگہ بنا لیا کرتے، میں نے حکیم صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو اس کا خوف نہیں ہوتا کہ جن سوراخوں سے آپ کبوتر نکالتے ہیں ان میں سانپ وغیرہ ہوں؟ تو ہنسے اور بولے کہ جس کنویں میں ایک سانپ بھی ہوگا اس میں کبوتر کا وجود ناممکن ہے۔ پس کبوتر کا ہونا ہی دلیل ہے کہ اس کنویں میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ مبالغہ نہیں ہے، بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ایک مہم میں بسا اوقات تین تین سو، چار چار سو تک کبوتر ہاتھ آجاتے تھے، پو پھٹنے کے ساتھ ہی ہم لوگ مدرسہ میں داخل ہو جاتے۔ صبح کو ذبح کئے ہوئے کبوتروں کی پکائی دیگوں میں ہوتی، اس میں شک نہیں کہ بڑی لذیذ غذا تھی، بھلا پرند کے گوشت کا اتنا بڑا ذخیرہ کہاں میسر ہو سکتا تھا۔ نیز آپ اور دوسرے طلبہ بھی کبوتروں کی اس دعوت میں شریک ہوا کرتے تھے، مچھلیوں اور کبوتروں کے ساتھ ساتھ خرگوشوں کی بھی کافی تعداد ہر دوسرے تیسرے دن شکار ہوتی تھی، گیہوں کے کھیتوں میں بکثرت خرگوش ہانکے جاتے تھے اور یہ طلبہ کبھی کبھی لاٹھیوں سے بھی ان کو مار لیتے تھے۔ گیہوں کے ملتے ہوئے خوشوں سے استدلال کیا جاتا تھا کہ ضرور ان کے آس پاس خرگوش ہیں۔ پینترا بدلتے ہوئے یہی مشاق شکاری رفقاء اعصا بکف ان غریبوں کے سر پر بلائے بے درماں کی طرح پہونچ جاتے، اور ایک ہی وار میں خرگوش بیچارے لوٹ پوٹ ہو جاتے کھل گاؤں ضلع بھاگل پور کے ایک طالب العلم مولوی محی الدین صاحب کو اس باب میں خاص امتیاز حاصل تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ تین چار خرگوش عموماً پاک کر دستر خوان پر ہر دوسرے تیسرے دن آتے، لیکن خدا جانے میرا دل اس کے کھانے پر آخر وقت تک کیوں راضی نہ ہوا۔ زیادہ سے زیادہ کبھی کبھی مصالحہ تو روٹی میں لگا لیتا، لیکن بوٹی شاید ہی کبھی استعمال کی ہو۔

اس سلسلہ کی ایک بات جو گذری ہے اُسے بھی عرض ہی کر دیتا ہوں، شرعاً و فقہاً جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، لیکن کبھی کبھی طلبہ کی یہی ٹولی کھیتوں سے چنے اور مٹر بھی اکھاڑ لیتی، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ گنے پر بھی کبھی دھاوا بول دیتی۔ دیوبند وغیرہ میں قاعدہ تھا کہ رس نکالنے کی مشین یعنی کولہو ہر جگہ گڑے رہتے ہیں، اور عام اجازت تھی، کہ اپنے بیلوں کو ان ہی میں جوت کر جس کا جی چاہے رس نکالے۔ ایک دفعہ بدقسمتی سے شب گردی کی اس مہم میں فقیر بھی ساتھ ہو گیا تھا۔ گنے کی کافی تعداد حاصل ہو گئی، خیال کیا گیا کہ ان کا رس نکالا جائے۔ لیکن بیل طالب العلم کہاں سے لائیں۔ بالآخر طے کیا گیا کہ بجائے بیلوں کے طلبہ ہی کولہو کو چلائیں۔ اس موقع پر حصہ رسدی کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے یاد آتا ہے کہ رس نچوڑنے کے اس کولھو میں خاکسار کو بھی جوتا گیا تھا، گنے کے ان ہی کھیتوں کے سلسلہ میں ایک بات یاد آ گئی، برسات کا موسم تھا، چاروں طرف جدھر دیکھئے کھیتوں میں پانی ہی پانی بھرے ہوئے تھے، یکایک ایک طالب العلم کی نظر پڑی کہ گنوں کے کھیت میں ہرن کی کوئی ڈار چھپی ہوئی ہے۔ طالب العلموں نے اس کھیت کا چاروں طرف سے احاطہ کر لیا، عام طور پر تو ہرن ادھر ادھر سے اڑ اڑ کر نکل گئے۔ لیکن ایک بدقسمت ہرنی غریب پانی میں پھنس گئی، طلبہ اس پر ٹوٹ پڑے اگرچہ اپنی ٹانگ کے کھروں سے اس نے اکثروں کی خبر لی۔ کافی زخم لوگوں کو پہونچے۔ لیکن پنجے سے نکلنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس واقعہ کی کافی شہرت ہوئی، کہ بغیر بندوق وغیرہ کے ہاتھ سے طالب العلموں کی اس ٹولی نے ہرنی کو پکڑ لیا، خوب دعوت اس کے کبابوں کی ہوئی۔

اس زمانے کا حال معلوم نہیں لیکن ہمارے زمانہ میں عام دستور دیوبند والوں کا تھا، کہ بیروں کے باغ میں طلبہ کی دعوت کرتے۔ آموں کی بھی دعوت ہوتی تھی، اور سال بھر میں ایک دفعہ، "وساول" کی دعوت خالص دودھ کے ساتھ مدرسہ بھر کی مدرسہ ہی کی طرف سے کی جاتی تھی۔ کبھی کبھی باہر کے ارباب توفیق مدرسہ پہونچکر طلبہ کی دعوتیں کیا کرتے تھے۔ جن میں ایک دعوت کے لطف و لذت کو ایام پیری میں بھی جب یاد کر لیتا ہوں، تو دیر تک ذائقہ کو خیالی لذت کا موقعہ مل جاتا ہے۔ کلکتہ کے ایک مشہور تاجر بخش الٰہی مرحوم تھے۔ سیرز سیگریٹ کے سارے ہندوستان میں سول ایجنٹ تھے، اپنے زمانہ میں کلکتہ کے سربرآوردہ تجار میں شمار ہو گئے تھے، سب سے پہلے ان ہی کی انگلی میں وہ انگوٹھی میری نظر سے گذری تھی جس کا نگینہ اندھیرے میں "گوہر شب چراغ" بنا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی ستارہ چمک رہا ہے۔

بہرحال ان ہی جیتے ہوئے دنوں کا قصہ ہے کہ بخش الٰہی مرحوم نے دار العلوم کے طلبہ کی دعوت کا ارادہ کیا۔ اپنے ساتھ ریل گاڑی میں حلوانوں، (بکری کے ششماہہ، ہفت ماہہ بچوں کی)، کافی تعداد دیوبند پہونچی۔ شاید سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ ان ہی مسلم حلوانوں کی بریانی پکوائی گئی اور مزعفر بھی۔ سیٹھ صاحب کی طرف سے جو تیار کرایا گیا تھا، یہ واقعہ ہے کہ برجیع خانوں تک سے بجائے عفونت کے زعفرانی بھپارے کئی دن تک اٹھتے رہے، ایک ایک طالب العلم کے حصہ میں خیال یہی گذرتا ہے، کہ چند مسلم حلوان کے گوشت آئے تھے کھانے میں بجائے بکرے کے مرغ مسلم کا مزہ بھی ملتا تھا، اور ہڈیوں پر بھی مرغ مسلم ہی کی ہڈیوں کا شبہ ہوتا تھا۔

الغرض دار العلوم دیوبند کا ماحول کم از کم اس زمانہ میں جب فقیر کو اس کے احاطہ میں چند سال زندگی گذارنے کا موقع ملا، امن و عافیت راحت اور آرام کے اسباب سے معمور تھا۔ نہیں کہہ سکتا کہ یہی واقعہ تھا، یا عمر کی جس منزل میں ہم تھے، اس کا یہ اقتضا تھا۔ میرے بعض تجربات تو اس باب میں عجیب ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دینی علوم کے ان طلبہ کی غیب کی طرف سے بھی نازبرداریاں ہوتی تھیں۔ سب کا تذکرہ تو مناسب نہیں، لیکن نمونہ کے طور پر ایک تجربہ کا ذکر ہی کر دیتا ہوں غالباً شعبان ہی امتحان کا زمانہ تھا، جوابوں کے لکھنے میں کافی تاخیر ہو گئی، مطبخ سے کسی نے کھانا لا کر رکھ دیا تھا، روٹیاں بھی

ٹھنڈی اور خشک ہو چکی تھیں، اور سالن بھی تقریباً ناقابل استعمال بن چکا تھا جواب لکھنے کے بعد گرسنگی کی شدت میں اس کھانے کو اپنے سامنے پاکر قطعاً خلاف عادت طبیعت میں ایک مجہول سا تنغص کہیئے، یا کراہٹ کی سی کیفیت محسوس ہوئی، اور یوں ہی کھانے کو دسترخوان پر چھوڑ کر بستر پر دراز ہو گیا، شاید آدھ گھنٹے اس حال میں گذرے ہوں گے، کہ میرے ایک رفیق درس جن سے بجز درسی رفاقت کے اور کوئی خاص تعلق بھی نہ تھا، بمبئی کے رہنے والے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، اور جگا کر کہہ رہے ہیں کہ "ارے یار! خدا جانے اسوقت دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ گرما گرم بریانی جو فلاں باورچی کے ہاں تیار ہوئی ہے، مجھے کھانا چاہیئے، اسی کے ساتھ یہ خطرہ بھی آیا کہ تم کو بھی ساتھ لے چلوں۔" میں ان سے عذر و معذرت بھی کرتا رہا، لیکن وہ سر ہی ہو گئے، اور اپنے ساتھ اٹھا کر باورچی کی دوکان پر پہونچے۔ واقعی اس دن اس کے یاں بریانی حد سے زیادہ لذیذ تیار ہوئی تھی، سیر ہو کر ہم دونوں نے کھایا۔ بمبئی کے یہ میرے رفیق جن کا نام مولانا عبدالغفور تھا، سننے میں آیا ہے کہ بیچارے کا انتقال ہو گیا۔ ان کو اس کا پتہ بھی میں نے نہ چلنے دیا کہ اس وقت "روٹھ" کی ایک خاص کیفیت میں کھانا کھائے بغیر میں پڑا ہوا تھا۔ اب بھی جب اس واقعہ کو سوچتا ہوں تو محض بخت و اتفاق قرار دینے پر دل راضی نہیں ہوتا۔

سچ پوچھیئے تو باشندگانِ دیوبند کے قلوب میں طلبہ کا جو احترام تھا، اور اس احترام کے عملی مظاہرے روزمرہ جو سامنے آتے رہتے تھے ان کو دیکھ کر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا، کہ بنی آدم کے قلوب جس "الرحمٰن" کی انگلیوں کے نیچے دبے ہوئے ہیں، اسی کے باطنی اشاروں کی یہ کرشمہ سازیاں تھیں۔

کھیتوں سے چنے، مٹر، گنّے وغیرہ لانے کا قصہ بیان کر چکا ہوں بظاہر شرعاً ان اعمال و افعال کے جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن اسی کے ساتھ اس برتاؤ کا خیال جب سامنے آتا ہے جو "مولوی جی" یعنی طلبہ دارالعلوم کے ساتھ باشندگانِ قصبہ کا تھا اپنی اپنی بیریوں میں بلا بلا کر طلبہ کی بیروں سے ضیافت یا امریوں میں مدعو کر کر کے آموں کی سخاوت، ایک عام بات تھی، ان ہی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے، کبھی کبھی دل میں یہ وسوسہ بھی ہوتا تھا کہ کیا اپنے کھیتوں کی پیداوار سے استفادہ کی عرفی اجازت اس علاقہ کے لوگوں نے طلبہ کو دے رکھی ہے؟ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ طالب العلموں کی ان دراز دستیوں کی شکایت اس زمانہ میں شاذ ہی کبھی سنی گئی ہو۔ سنا ہے کہ حالات اس تیس ۳۰ چالیس ۴۰ سال کے عرصے میں بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ گویا سمجھنا چاہیئے، کہ اس عرفی اذن یا اجازت کے وسوسہ کی بھی گنجائش اب باقی نہیں رہی ہے، اسی لئے گزشتہ زمانہ کے واقعات پر چاہیئے، کہ اس زمانہ کے طلبہ قیاس کر کے حرام کو، خواہ مخواہ حلال ٹھیرانے کی نکوہیدہ کوشش نہ کریں۔ نہ دیوبند کے باشندے ہی وہ باقی رہے ہیں، جو ان ہی کے آبا و اجداد کسی زمانہ میں تھے، اور نہ طلبہ کا وہ رنگ نظر آتا ہے، جس کی رعایت اب سن چکے، غیب میں بھی کی جاتی تھی۔

(باقی آئندہ)

ہندوستان کے قدیم خریدار!

گذشتہ کئی مہینے سے دفتر کو شدید مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ اس طرح کہ ہندوستانی خریداروں کو ان کی مدت خریداری کے ختم ہونے کے بعد وی، پی روانہ کی گئی، ان دو ۲، تین ۳ مہینوں میں اکثر اس قسم کی وی، پیاں واپس آگئیں۔

خریداران رسالہ کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ وی پیاں واپس کرنے سے براہ راست "دارالعلوم" کو مالی نقصان پہنچتا ہے ان حضرات کو "دارالعلوم" کو نقصان پہونچانے سے پرہیز کرنا چاہیئے یہ صرف رسالہ کا نہیں بلکہ "دارالعلوم" کا نقصان ہے۔

جو حضرات رسالہ کے خریدار نہیں رہنا چاہتے، وہ قبل از وقت نمبر خریداری کے ساتھ دفتر کو اطلاع دیں۔

(ناظم رسالہ)

تبلیغی جماعت کے دو خط!

"پاکستان کی ایک تبلیغی جماعت نے جو تبلیغی مقصد سے ممالک عرب کا دورہ کر رہی ہے، مولینا محمد صاحب انوری لائل پوری کی خدمت میں دو خط بھیجے ہیں، ہم چونکہ تبلیغی جماعت کی دینی جد و جہد سے دل چسپی رکھتے ہیں، اس لئے ہم نے مولینا کی فرمائش پر ان دونوں خطوں کو شامل اشاعت کر لیا ہے، دونوں خط سادہ ہیں۔ لیکن ان سے تبلیغی جماعت کے ذوق و شوق کا اظہار ہوتا ہے۔"

(مدیر)

پہلا خط

بخدمت مخدومی و محترمی مولینا محمد صاحب زید مجدہم!

بعد سلام مسنون قبل ازیں بصرہ کی بندرگاہ پر اُترنا اور بستی حضرت زبیرؓ میں حاضری، حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و دیگر متعدد صحابہ کرامؓ کے مزارات کی زیارت اور بستیوں میں تبلیغی جد و جہد کا حال عرض کر چکا ہوں، ہم وہاں سے بغداد پہنچے، شہر میں متعدد گشت ہوئے عراق کے لوگ تبلیغی کام میں کافی دل چسپی لینے لگے تھے۔ دیہات میں بھی جانا ہوا حضرت امام اعظمؒ کے مزار مبارک پر حاضری نصیب ہوئی عجیب پر انوار جگہ ہے خوب خوب برکات کا نزول ہو رہا تھا، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ و دیگر اولیاء اللہ محدثینؒ و فقہاء کے مزارات پر بھی جانا ہوا، بغداد سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں حاضری ہوئی بارکنا حولہا کا عجیب پر انوار منظر دیکھ کر قلوب کیفیات سے لبریز ہو گئے، ہم لوگ شرق اُردن، عمان اور وہاں سے بیت المقدس حاضر ہوئے، اس علاقہ کے لوگ تبلیغی کام سے متعارف ہیں۔ بیت المقدس کے علاقہ میں کافی سے زیادہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں درا صل یہ علاقہ جد و جہد کا میدان تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام اور حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ کے مزارات پر حاضری کی توفیق ہوئی خوب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برس رہی تھیں مسجد اقصےٰ میں عموماً نمازیں پڑھی گئیں، وہاں سے جماعت روانہ ہو کر دمشق پہنچی یہاں پر خصوصی اور عمومی گشت خوب ہو رہے ہیں ملک شام کے لوگوں میں کافی خوبیاں ہیں اور اللہ تعالےٰ سے اُمیدیں وابستہ ہیں کہ یہ لوگ اس کام کو لے کر اُٹھینگے اور سارے ملکوں کے تقاضے پورے ہونگے۔ خدا کرے کہ ہمارے علاقے سے کچھ جماعتیں صحیح اُصولوں کے ساتھ ذکر و فکر کرتی ہوئی پھریں تو اللہ تعالےٰ کے ہاں کچھ مشکل نہیں کہ اس علاقے سے دینی کام لیں، آپ بزرگوں سے دُعا کی درخواست ہے ہم آپ کی دُعاؤں کے بہت ہی محتاج ہیں جو آپ نے مجھے مشورہ دیا تھا (شام کے تبلیغی کام سے فارغ ہو کر حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریں کیونکہ حج آپ پر فرض ہو چکا ہے) انشاء اللہ تعالےٰ میں جناب کی ہدایت پر ضرور عمل کروں گا آپ خصوصی اوقات میں دُعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں میں ہر معاملہ میں کمزور ہوں اور آپ تو دعائے خیر کرتے ہی ہوں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائیں اور خاتمہ ایمان پر کردیں آمین! مولینا عبد العزیز صاحب کھلنا بنگال والے آپ کو خوب یاد کرتے رہتے ہیں اور آپ کی باتیں مجھے سُناتے رہتے ہیں الحمد للہ جماعت میں کافی دوست ذکر جہری کرتے رہتے ہیں یہاں پرسوں بروز جمعہ ۱۲ جون ۱۹۵۳ء کو نماز عید الفطر جامع امیہ میں ادا کی گئی، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں شرقی مناره پر اُترینگے۔ رمضان شریف بھی بہت اچھا گذرا۔ آجکل یہاں موسم بہت اچھا ہے ہم لوگ کمبل اوڑھکر اندر کمروں میں سوتے ہیں، گھر میں سلام مسنون، اپنی صحت کا حال اور خیریت کی خبر اور ہدایات تحریر فرمائیں۔

بخش الٰہی، لائل پوری۔ لیگیش پاکستان (دمشق سوریہ)

دوسرا خط

بخدمت جناب مولٰنا صاحب ظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ مزاج مبارک آپ کا خیریت کا خط ملا دل کو ازحد خوشی ہوئی جو کہ تحریر نہیں کر سکتا رب العزت آپ کا سایہ مبارک ہم پر دیر تک سلامت رکھے۔ الحمد للہ جماعت، دمشق کے دیہاتوں میں پیدل کام کرتی ہوئی اس ہفتہ کو واپس دمشق پہنچی ہے دمشق کی بستیوں میں یعنی غوطہ کے علاقہ میں خاص کر اللہ کی رحمتیں آج بھی برس رہی ہیں اور تقریباً ہر بستی میں صحابہؓ اور انبیاءؑ مدفون ہیں، اس علاقہ میں جاکر دین کی جدوجہد تازہ ہوئی۔ خداوند کریم ان بزرگوں کا اتباع کرنے کی توفیق دیں، ان بستیوں میں جماعت کے ساتھ دمشق کے بھی تقریباً دس بارہ دوست گئے تھے جو کہ کافی اثر لیکر آئے ہیں اور اب شہر میں بھی وہ دوست ساتھ کام کر رہے ہیں۔

خدا کرے کہ یہ لوگ اس کام کو لے کر اٹھیں اور ہماری نجات کا ذریعہ بلکہ ساری امت کی نجات کا ذریعہ بن جائیں تو اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی مشکل نہیں ساری دنیا کے قلوب اللہ کے قبضہ میں ہیں، جناب دعا فرمائیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی ساری دنیا میں عام ہوجائے آمین! دراصل انسانی زندگی یہی تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، باقی ساری زندگیاں حیوانی زندگیاں ہیں۔ آج ساری مخلوق پریشان ہے۔ لیکن ساری پریشانیوں کا علاج حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا صحیح اتباع ہے۔ خدا تعالےٰ اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کردیں، اللہ تعالےٰ سے امیدیں وابستہ ہیں کہ یہاں پر اگر جماعتیں باقاعدہ آتی رہیں تو انشاء اللہ تعالےٰ یہ کام بہت جلد سارے ملکوں میں پھیل جائے گا۔ ان شام والوں میں بہت سی خوبیاں ہیں۔

مولٰنا ہم سب آپ کی دعاؤں کے بہت ہی محتاج ہیں اور خاص کر میرے لئے خاص وقت میں دعا فرماتے رہیں، کہ اللہ تعالےٰ اس کو نعمت کی قدر کرنے کی توفیق دیویں اور خاتمہ ایمان پر کریں۔ اللہ تعالےٰ کی خوب نصرت اور رحمتیں برس رہی ہیں، خدا تعالےٰ ساری امت کو اس عالی مقصد کے لئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم والی زندگی کے لئے قبول فرماویں۔ امید ہے کہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے بذریعہ ٹرک عمان تبوک کے راستے انشاء اللہ تعالےٰ اسی ہفتہ میں روانگی ہوگی۔ گیارہ افراد کی جماعت میں سے چھ آدمیوں کی جماعت فریضۂ حج کے لئے روانہ ہو رہی ہے اور پانچ آدمی جس میں حاجی عبدالحق صاحب حاجی محمد ابراہیم صاحب وغیرہ ہیں حلب، حما حمص، بصرہ سے ہوتی ہوئی پاکستان واپس پہونچ جاوے گی۔ اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے اپنے گھر بلانے کی عزت دی۔ اللہ تعالےٰ مقبول حج نصیب فرمائیں، آپ سے خاص کر دعا کی درخواست ہے یہاں سے ٹرک کا تقریباً ایک ہفتے کا راستہ ہے، خدا تعالےٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور مجھے جانے کی توفیق ہو رہی ہے، میں آپ کا حق ادا نہیں کرسکتا میری ہر قسم کی گستاخیاں معاف کردیویں اور میرے لئے دعا فرماتے رہیں۔ مطلوبہ کتاب تلاش کرنے سے مل گئی ہے جو کہ انشاء اللہ ارسال کردوں گا۔ جمعہ کی صبح کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاکر آپ کا سلام پہونچا دیا ہے۔ ٹرک موٹر کے راستے مدینہ منورہ جانا نہیں ہوسکا۔ آج لبنان، بیروت کے بحری جہاز پر روانگی ہو رہی ہے، کل انشاء اللہ ۴ر جولائی ۱۹۵۳ء کو جہاز بیروت سے جدہ روانہ ہو جائے گا۔ مجھے ہدایت کا خط مدینہ منورہ کے پتہ پر لکھتے رہیں تاکہ مستفید ہوتا رہوں +

بخش الٰہی عفا اللہ عنہ

بقیہ "تذکرہ اُدبائے دار العلوم"

کے مالک تھے۔ بلکہ وہ قلم اور تلوار کے بھی دھنی تھے۔ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کی پوری جانشینی کا مظاہرہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں دکھایا جبکہ انہوں نے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کو اس زمانہ میں نہایت جرأت اور ہمت و استقلال سے جاری رکھا جبکہ مسلمانوں کی عظمت کو سنبھالا دینے کی کوشش کی جارہی تھی۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مولٰنا محمد قاسم صاحب اپنے عہد کے مشہور باکمال خطیب و مقرر تھے +

(باقی آئندہ)

مولانا احمد حسن صاحب بھام

(مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری سورتی)

مولانا کا سن ولادت تخمیناً ۱۲۹۶ھ ہجری ہے۔ مولانا کے والد حسن پٹیل سملک (علاقہ نوساری) کے باشندے، زراعت پیشہ اور بستی کے پٹیل (چودھری) تھے۔ اپنے اثر و جاہت کی وجہ سے معزز و معروف تھے۔ ذی حوصلہ اور باہمت شخص تھے، نیکی خیال اور بلندی کردار کی وجہ سے اپنے خاندان اور احباب و اقران میں ممتاز تھے۔ قوتِ انتظامیہ بڑی تھی اس لئے بستی اور گرد و نواح کے جھگڑے اور فساد کے اکثر معاملات آپ کے ہاتھ سے طے ہوتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے، اکثر علماء و مشائخ و درویشوں کا قیام آپ کے ہاں رہتا تھا اس وجہ سے لوگوں میں ہر دلعزیز تھے، کئی صاحبزادوں کے بعد اللہ نے آپ کو یہ مولود مسعود عطا فرمایا جس کی بلند ہمتی، اور برکت سے آج صرف یہی موضع نہیں بلکہ پورا ملک گجرات جامعہ کی برکت سے دور دراز ملکوں میں مشہور و معروف ہو گیا ہے۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم مکتب سے شروع ہوئی قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی اردو کتابیں مکتب میں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ کٹھور، ضلع سورت میں مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ سے فارسی اور ابتدائی عربی درجہ پڑھ رہے تھے کہ لاجپور میں حضرت مولانا احمد میاں صاحبؒ نے قدیم مدرسہ اسلامیہ کی تجدید کی اور باقاعدہ درس نظامیہ کے طرز پر تعلیم کا سلسلہ شروع فرمایا۔ جس سے اطراف و جوانب کے طلبہ جمع ہونے شروع ہوئے۔ مولانا احمد حسن بھی کٹھور سے لاجپور چلے آئے اور عربی کی ایک ابتدائی بڑی جماعت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ شروع ہوا، اور مسلسل چار سال تک لاجپور میں رہ کر صرف و نحو، و فقہ و اصول فقہ و مشکوٰۃ شریف اور ابتدائی منطق کی کتابیں پڑھتے رہے۔ اسکے بعد ۱۳۱۸ھ میں مولانا دہلی چلے گئے اور مدرسہ حسین بخش میں داخل ہوئے، سال بھر دہلی میں قیام کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دو سال گذار کر پھر دہلی آئے اور مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم میں داخل ہوئے اور اخیر میں دورۂ حدیث مدرسہ امینیہ میں پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ دہلی سے فارغ ہو کر وطن تشریف لائے اور کچھ عرصہ تک شہر سورت میں تراداو ماڑیہ سیٹھ کے مدرسہ میں مدرس اول رہ کر درس دیتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ کی ملازمت چھوڑ کر سملک چلے آئے اور ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے ایک عربی مدرسہ سملک کی مسجد میں قائم کیا۔ اور جس کا افتتاح بہت بڑے مجمع میں اپنے محترم استاد مولانا احمد میاں صاحب کے دست مبارک سے کرایا۔ یہی مدرسہ آج جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے، کہ کسی زمانہ میں یہ خطہ گجرات علوم و فنون کا سرچشمہ و مخزن اور علماء و فضلاء کا ماویٰ و مسکن رہا ہے۔ جن کے فیوض علمیہ سے ہزاروں تشنگانِ علوم سیراب ہوا کرتے تھے اور جن کی مفید تصنیفات آج بھی طالبانِ ہدایت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ازمنہ ماضی میں چونکہ شہر سورت کو باب المکہ ہونے کا شرف حاصل تھا، اس لئے ہندوستان کے ہر گوشہ سے ارباب فضل و کمال اولیاء و صلحاء کے قدوم میمنت لزوم سے اس زمین کو شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔ اور اس طرح یہاں کے لوگوں کو ان برگزیدہ حضرات کے فیوض حاصل کرنے کے بہترین مواقع نصیب ہوتے رہتے تھے۔ مگر انقلاب زمانہ جہاں دوسری جگہ مسلمانوں کی سلطنت، مال و دولت، صنعت و حرفت کو تباہی کے ہولناک سیلاب میں بہا لیگیا وہاں اس نے اس سرزمینِ گجرات کی خصوصیات کو بھی خاک میں ملا دیا۔ شاہانِ گجرات کی سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ علماء ربانی اور اولیاء و صلحاء حقانی کہ جن کا وجود سلطنت سے بھی زیادہ باعث خیر و برکت اور ضروری تھا، رخصت ہو گئے۔

اُن نفوس قُدسیہ کا مُبارک و بافیض دور ختم ہوا کہ ہر طرف جہالت کی بھیانک و خوفناک تاریکی چھاگئی۔ احمد آباد جو اسلامی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ تھا، ایسا تباہ و برباد ہوا کہ پھر اُسے پنپنا نصیب ہی نہ ہوا۔ اس کا وہ جاہ و جلال اور شان و شوکت جو یادگار زمانہ تھی تاریخ کے صفحات پر افسانہ بنکر رہ گئی، یہی شہر جو کبھی دارالعلم تھا دارالجہل بن گیا۔ لوگوں کے عقائد ایسے بگڑے کہ خُدا کی پناہ۔ اُمور شرکیہ و بدعیہ نے دین کے ہر شعبے میں گھر کرلیا۔ بہت سی باتیں جن کو دین سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا دین میں داخل سمجھی جانے لگیں۔ غرض جہالت کیا تھی ایک وبا تھی جو ہر طرف اپنے زہریلے جراثیم کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی۔ اس مہلک مرض کے اثرات سے یہاں کے مسلمانوں کو بچانے کے لئے حکیم مطلق نے چند ایسے حاذق اطبا خود اس سرزمین گجرات میں پیدا فرمائے جن کا مُبارک وجود جہالت کے زہریلے جراثیم کے انسداد کے لئے تریاق سے بھی زیادہ نفع بخش ثابت ہوا۔

ان بزرگوں نے مختلف طریقوں سے عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ کچھ وعظ و نصیحت اور تلقین و ارشاد میں مصروف ہوگئے، اور کچھ تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، اور چند بزرگوں نے مختلف اور متعدد مقامات میں اسلامی مدارس قائم کرکے دین متین کی خدمت شروع کی۔ بحمداللہ اس طرح اصلاح کا ایک ایسا مبارک سلسلہ شروع ہوگیا جس کے بہت جلد مفید نتائج ظاہر ہونے لگے (مدارس و مکاتیب کے فیوض کے سلسلہ اور تذکرہ میں ایک مخلص ہستی کا ذکر کئے بغیر آگے لکھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہ بزرگ ہستی پالن پور میں مولانا حکیم محمد نذیر صاحب کی ہے جو مسلسل پچاس سال سے لِلّٰہ فی اللہ دینی خدمت میں لگی ہوئی ہے، اس نہایت جفاکش مرد مجاہد نے جگہ جگہ مدارس و مکاتیب قائم کرکے پالنپور اور اس کے ملحق علاقہ کو علم سے مالامال کردیا ہے۔ تعلیم بالغاں کے سلسلے میں ملازم پیشہ و مزدور پیشہ کم فرصت لوگوں کو ان کی فرصت کے اوقات میں کسی کو بعد عشاء کسی کو رات کے بارہ بجے اور بعضوں کو صبح صادق کے قبل پڑھا پڑھا کر عالم دین بنادیا ہے۔ اللہ اس بابرکت اور بافیض ہستی کو تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ راقم الحروف نے بھی مولانا احمد حسن صاحب کی معیت میں سنہ ۱۳۲۸ ہجری میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ پالنپور کا امتحان لیا ہے)

درس و تدریس کا سلسلہ اگرچہ سِملک کی مسجد میں جاری تھا لیکن وہ جگہ غیر مستقل اور ناکافی تھی۔ اِس لئے ضرورت تھی کہ مدرسہ کے لئے کوئی مستقل اور وسیع جگہ حاصل کی جائے۔ اگر کسی معمولی مدرسہ کیلئے زمین کی ضرورت پیش آتی تو وہ آسانی سے ملجاتی۔ مشکل یہ پیش آرہی تھی کہ مولانا کا مطمح نظر ایک دارالعلوم کی بنا تھی اور آپ ایک ایسی وسیع جگہ کی تلاش میں تھے جو ایک دارالعلوم کے شایان شان ہو۔ اور اُس زمانہ کے نوساری (علاقہ بڑودہ) کے نائب صوبہ مولانا محمد علی مرحوم کا بھی یہی مشورہ تھا کہ بستی سے باہر کوئی وسیع جگہ حاصل کی جائے چنانچہ مولانا محمد علی مرحوم نے مولانا احمد حسن صاحب کے ساتھ ڈابھیل و سملک کے ہر چہار طرف گھوم پھر کر بڑی جدوجہد کے بعد ڈابھیل کی غربی جانب عیدگاہ کے مقابل زمین کا ایک قطعہ خریدلیا۔

بعض لوگوں نے جن کی نظر مستقبل پر نہیں تھی اسپر نکتہ چینی بھی کی۔ ان کا خیال تھا کہ ضرورت سے زیادہ زمین کیوں خریدی گئی؟ لیکن اُن کے جواب میں مولانا نہایت خندہ پیشانی سے یہی فرماتے رہے کہ ابھی یہ کم ہے اس سے بھی زیادہ زمین کی ضرورت ہوگی۔ مولانا کا وہ جواب آپ کے انتقال کے بعد حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ زمین مل جانے کے بعد آپنے سب سے پہلے مسجد تیار کرائی۔ درسگاہوں دارالطلبہ وغیرہ دوسری ضروریات کے لئے اگرچہ سخت ضرورت تھی مگر مالی وسعت نہونے کی وجہ سے ان ضروریات کو مؤخر کرنا پڑا۔ اس عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لئے آپنے مقامی حضرات اور اُن اصحاب خیر کے مشورہ سے جو جنوبی افریقہ میں تجارت کرتے ہیں افریقہ تشریف لے گئے۔

افریقہ پہونچکر آپ نے سب سے پہلے انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم کا نہایت اہم فریضہ ادا کیا۔ یعنی وہاں مسلمانوں کے تعلقات آپس میں کشیدہ تھے آپ کی حسن تدبیر کے وہ سب استوار ہوگئے آپ کی سعی کی بدولت اتفاق و اتحاد کی بہترین دولت مُسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ نیز یہ اتحاد و صلح مدرسے کے کام میں بھی نہایت خیر و برکت کا

موجب ہوئی۔ سب نے یک زبان اور یک دل ہو کر مدرسہ کی طرف دستِ اعانت بڑھایا۔ اور تعمیر مدرسہ کے لئے ایک بڑی رقم جمع ہوگئی۔ آپ مراجعت وطن کی تیاری میں تھے کہ وہاں، "انفلوئنزا" کی بیماری شروع ہوئی، جس میں مدرسہ کے بہت سے مخلصین قضا کر گئے۔ مولٰنا کا دل بھی ان پیہم صدمات سے پاش پاش ہو رہا تھا، کہ ایک اور سانحہ پیش آیا یعنی مولٰنا مرحوم کے برادر بزرگ جناب ابراہیم بہام صاحب جن کو مولٰنا سے خاص محبت، اور مدرسہ سے ہمدردی تھی اسی مہلک مرض میں انتقال کر گئے۔ اِن مصائب نے مولٰنا کی کمر توڑ ڈالی اور ان کو بجد صدمہ پہونچا۔ بالآخر آپ پر بھی اس مرض کا زبردست حملہ ہوا۔ اور چند روز کی علالت کے بعد آپ ۱۰ محرم ۱۳۳۷ھ پنجشنبہ کے دن راہیٔ مُلکِ عدم ہوئے اور جوہانسبرگ کے گورستان میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ آفتابِ علم جو سملک سے طلوع ہوا تھا افسوس صد افسوس کہ جنوبی افریقہ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

مولٰنا احمد حسن صاحب بہام مرحوم نے مذہب و ملّت اور علومِ دینیہ کی خدمت کر کے جو عملی نمونہ عالمِ اسلام کے لئے پیش کیا ہے، وہ نہایت اہم اور سبق آموز ہے دین اور علوم دینیہ کی خدمت کا آپ کو عشق تھا، اور اسی راہِ عشق میں آپ نے اپنی عزیز جان، زن و فرزند کو بے بسی اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ کر غربت سفر میں شہید ہو کر مالکِ حقیقی کے سپرد کر دی۔ اللّٰہم اغفرہ مغفرۃ تامۃ وارحمہ رحمۃ واسعۃ وادخلہ الجنۃ واکرم نزلہ واتمم لہ نورہ وعافہ واعف عنہ

مولٰنا مرحوم کی نیک نیتی اور خلوصِ للّٰہیت کا ثمرہ ہے اور اسی کی خیر و برکت ہے کہ بعد الممات بھی اُن کا روحانی فیض جاری ہے اور حضرت مولٰنا احمد بزرگ صاحب جیسا مخلص بزرگ اُن کا جانشین ہوا، جن کی برکت سے یہ مدرسہ دار العلوم کے مرتبہ تک پہونچ گیا۔

تنقید و تبصرہ

زجاجۃ المصابیح!

مؤلفہ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب تقطیع کلاں۔ ضخامت ۵۹۰ صفحات۔ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت چھ روپے ۶/- مصنف سے۔ محلہ حسینی علم، جوبلی پوسٹ آفس (۲) حیدرآباد دکن کے پتہ پر طلب کیجائے۔

تمام امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ اجمالی اور بنیادی عقیدہ رہا ہے کہ حجج قطعیہ میں "قرآن شریف" کے بعد حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسلام کی اس طویل زندگی میں بارہا نازک سے نازک مواقع پر جب انسانی تدبر و فراست، دانائی و کیاست جواب دے بیٹھے اُس وقت مشکلات میں مبتلا انسان نے وقت کی پیدا کردہ اُلجھنوں سے نکل آنے کی راہ احادیث ہی کے ذخیرہ سے نکالی۔ اُمتِ محمدیہ کی یہ ادا بھی کس قدر دلنشین ہے کہ اس نے دنیا کی دوسری اُمتوں کی طرح اپنے نبی کے اقوال کو پس پشت ڈال کر زیب طاق نسیاں نہ بنایا اور نہ اقوال میں خلط ملط کر کے ان کی حجیت و قطعیت، ادنیٰ سی ضرب آنے دی۔ ہر دور میں اور ہر زمانہ میں اقوال و افعال کے ان پاک مجموعوں کو امت کے تمام افراد سینے سے لگائے رہے۔

اکابر امت میں بعض پر روایات کا رنگ غالب رہا تو کچھ کو استنباط و استخراج کا ذوق میسر آیا۔ اسی وجہ سے علماء امت دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ کا نام محدثین ہوا اور دوسری جماعت کو "فقہاء" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ فقہاء کے اس مقدس طائفہ نے احادیث کے اس ذخیرہ سے جو مہتم بالشان کام لیا وہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کی تفصیل تحصیل حاصل ہے لیکن علماء احناف کی گوناگوں خصوصیات کے اعتراف کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے "تدوین حدیث" میں کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ احادیث کے تمام مجموعے شافعی المسلک علماء کی وساطت سے ہم تک پہونچے۔ خاکم بدہن مسلک کی حمایت و تعصب نے اگر مستدلات شافعیؒ کو مضبوط کیا تو دوسری جانب امام اعظمؒ کی دلائل کو ہیچ و پوچ ثابت کرنے کے لئے علماء شوافع کے ہاتھ میں جرح و تعدیل تنقید و تحقیق کے نشتر بھی دیدئے۔ ایک حنفی المسلک طالب علم سیدنا امام اعظمؒ کی مستدل احادیث پر شوافع کی "عمل جراحی" دیکھ کر حیران و ششدر رہجاتا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس کمی کا ازالہ کیا جائے اور حدیث کا ایک ایسا صحیح مجموعہ ترتیب دیا جائے جس میں احناف کے قوی دلائل کو اس طرح سے جمع کر دیا جائے، کہ فقہ حنفی کی حقانیت و استقامت اور مضبوطی کھل کر سامنے آجائے۔ زیرِ نظر کتاب اسی مقصد کو سامنے رکھ کر تالیف کی گئی ہے۔ اِس کتاب کے شروع میں کیا ہوا دعویٰ کہ "یہ خدمت" پہلے پہل مولانا عبداللہ صاحب کی طرف سے انجام کو پہونچی، محل تامل و نظر ہے کیونکہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اُمت میں سب سے پہلے، اِس "کام" کا بیڑا اُٹھا چکے ہیں۔ خود ہندوستان کے متاخر علماء میں مولانا ظہیر حسن شوق نیموی صاحب آثار السنن نے اپنی مشہور تالیف میں یہی خدمت انجام دی۔ اور امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ علیہ نے بھی اِس طرف توجہ فرمائی۔ آپ نے احادیث کے دیگر مجموعوں کے علاوہ مسند امام احمد بن حنبلؒ ایسے ضخیم مجموعہ احادیث سے مستدلات امام اعظمؒ کو جمع کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن موت نے ان کو اس قدر مہلت نہ دی کہ وہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا فرما دیتے۔ تاہم مولانا عبداللہ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ بھی بڑا کارنامہ اور ان کی یہ خدمت قابل قدر و قیمت ہے۔ انہوں نے اپنی اس تالیف میں بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کے طرز پر مستدلات امام

ابوحنیفۃ النعمان الثابت الکوفی کو شگفتہ پیرائے، اور دلنشین اسلوب کے ساتھ جمع کیا ہے۔ جابجا تشریحی نوٹ، اور حدیثی نکات کے بیانات سے کتاب کو مزین فرماکر اس کی قیمت بڑھادی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا جواب۔ اُن کے اعتراضات و اشکالات کے کافی و شافی جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں نہایت مختصر اور مفید بحثیں بڑے اجمال کے ساتھ آئی ہیں۔ اگر ذرا سی تفصیل سے کام لیا جاتا تو مدارس کے طلباء، طویل شروحات اور ضخیم مجلدات کے مطالعہ سے ایک حد تک بے نیاز اور مستغنی ہوجاتے۔ بہر حال جو کچھ ہے، قابلِ مطالعہ اور مستحق تعریف ہے۔ خدا کرے کہ مولٰسنا موصوف کی یہ سعی مشکور ہو +

(ابن الانور سید محمد انظر شاہ کشمیری)

تاریخ مشائخ چشت!

از جناب خلیق احمد نظامی، صفحات آٹھ سو سائز ۲۰×۲۶/۸

کتابت و طباعت اور کاغذ بہترین۔ کتاب مجلد اور ڈسٹ کور بہت دبیز اور پائیدار ہے۔ قیمت ۱۳ روپے ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ ندوۃ المصنفین، اردو بازار۔ دھلی۔

ہمارے محترم دوست جناب خلیق احمد صاحب نظامی ایک اہل علم خاندان کے چشم و چراغ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے ہونہار اُستاذ ہیں علمی حلقے ان کے بعض اور علمی کارناموں کی بناء پر ان سے کافی تعارف رکھتے ہیں۔ نظامی صاحب ایک عرصہ سے سلسلۂ چشتیہ کے اُن تمام بزرگوں کے حالات کو کشف و کرامت کی خوش عقیدگیوں سے الگ کرکے تحقیقی اور تاریخی طور پر مرتب کرنے کی کوشش کر رہے تھے جن کا سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی تشریف آوری سے ہندوستان میں شروع ہوا جنھوں نے اس سرزمین کی سیرت سازی، تعمیر شخصیت، ترویج اسلام اور اشاعتِ حق کی بیش بہا خدمات بڑی خاموشی، بڑی سرگرمی اور بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دیں۔ خواجہ صاحب کی تشریف آوری سے پہلے ہندوستان میں نہ صرف اسلام پہونچ چکا تھا بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی نو آبادیات۔ ان کے آباد مدرسے اور پاکیزہ خانقاہیں موجود تھیں، یہ وہ وقت تھا جب سارے ہندوستان پر راجہ مہاراجوں کی حکومت تھی، اور اسلام کی طاقت اُن کے حاکمانہ جاہ و جلال کے سامنے ابھی پوری طرح ظاہر نہیں ہو سکی تھی۔ اُس وقت کے اکابر و شیوخ میں حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری کا نام جو غزنین سے تشریف لائے، اور ۴۶۵ھ میں لاہور میں انتقال فرمایا۔ اور علماء دین میں مولانا رضی الدین حسن صغانی صاحب مشارق الانوار کا اسم گرامی خاص طور پر لیا جاسکتا ہے اور یہ دونوں نام اس بات کا ثبوت ہیں کہ چوتھی صدی ہجری میں بھی علم ظاہر اور علم باطن ایک تکمیل یافتہ شکل میں ہندوستان میں موجود تھے۔ خواجہ صاحب کی تشریف آوری (۵۶۱ھ) نے گویا ہندوستان میں اسلام کی تجدید کی اور اُن کے فیض روحانی نے خانقاہوں کی پُرسوز زندگی کو سالوں، قرنوں، اور صدیوں پر پھیلا کر اسلام اور روحانیت کو مضبوط و مقبول بنایا۔ پھر اس سلسلہ میں کون کون حضرات پیدا ہوئے؟ وقت کی تمدنی، تہذیبی، مذہبی اور ذہنی الجھنوں کا انہوں نے اپنے دلق و سجادہ اور تسبیح، خرقہ، کی سادگیوں مگر اثر کی وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ کیسے مقابلہ کیا؟ یہ صرف مشائخ چشت کی تاریخ نہیں بلکہ ہندوستان کی قرون وسطیٰ کی ایک ایسی جامع تاریخ ہے جس کے آئینے میں اُس عہد کی ہندوستانی تہذیب توہم پرستی، بدعقیدگی اور ذہنی بیماریوں کے ساتھ اسلام اور روحانیت کی کامیاب معرکہ آرائی کے تمام نقش و نگار صاف طور پر نمایاں ہو نگے

اکابر صوفیہ کے حالات کے ساتھ شروع سے کشف و کرامت کی داستانیں اور تصرفات و مجاہدات کے قصے بڑے مبالغہ کے ساتھ اسطرح پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں کہ ان حضرات کی ساری زندگی اپنی افسانوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ آج سرزمینِ ہند پر جتنے مزارات عوام کے سجود عقیدت سے پُررونق اور جتنی خانقاہیں ان کے روایتی اور رسمی ہُوہا سے پُرشور بنی ہوئی ہیں اگر اس سارے سلسلہ سے یہ کشف و کرامت کا مضمون نکال دیا جائے تو بڑی مشکل سے دس بیس عقیدتمند ان خانقاہوں اور مزاروں تک پہونچ پائیں۔ نظامی صاحب نے اپنی اس کتاب میں

عقیدت و تعلق کے ایسے خلاف عقل افسانوں کو جگہ نہیں دی بلکہ اس کا موضوع تاریخی تحقیق ہے اور بزرگانِ سلسلۂ چشت کی پوری زندگی پر محققانہ اور مؤرخانہ روشنی ڈالی ہے۔

مصنف نے اس سارے مواد کو پانچ جلدوں میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے جس میں چند ابتدائی، علمی اور اصولی مباحث کے علاوہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لے کر خواجہ اللہ بخش تونسویؒ تک کے حالات آ گئے ہیں۔

سچ یہ ہو کہ اتنے بڑے علمی کارناموں کے لئے بادشاہوں کے خزانوں اور سلطنت کی مالی امدادیں ہی بطریق صحیح کفالت کر سکتی ہیں۔ یہ ہمارے مُلک کے نامور ادارہ "ندوۃ المصنفین" کی ہمتِ مردانہ ہے کہ اس نے ۸۰۰ آٹھ سو صفحات کی اس ضخیم کتاب میں علم و تحقیق کے یہ انمول موتی بڑی نفاست و پاکیزگی اور قرینہ و ترتیب کے ساتھ جمع کر دیئے ہیں + (سید محمد ازہر شاہ قیصر)

العلم والعلماء!

ترجمہ از مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی۔ ضخامت ۲۹۶ صفحات

کتابت و طباعت اور کاغذ بہترین۔ جلد اور ڈسٹ کور، دیدہ زیب اور پائدار۔ قیمت عہ/ ملنے کا پتہ:۔
"ندوۃ المصنفین" اردو بازار۔ دہلی۔

علامہ ابن عبد البر چوتھی صدی ہجری کے ایک نامور عالم اور امام حدیث ہیں۔ جو مدینۃ العلم قرطبہ کے شاندار علم و کمال کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آپ نے "جامع بیان العلم وفضلہ" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس میں علم، فضیلت علم اور اہل علم کی عظمت اور ذمہ داریوں پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب بڑی دلنشیں اور فاضلانہ ہے۔ مختلف عنوانات پر الگ الگ ابواب قائم کئے گئے ہیں، اور ہر باب میں روایتیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دی گئی ہیں۔ علم اور علماء سے متعلق اتنا محققانہ مواد کسی دوسری جگہ مشکل ہی سے ملسکتا ہے۔

ہمارے مُلک کے مشہور مصنف اور مترجم مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی نے ۱۹۲۷ء میں اس کتاب کا ایک ترجمہ کیا تھا، ان کی اخباری مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک اس ترجمہ کو کتابی شکل میں چھپنے کا موقع نہیں ملا۔ اب مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی کی سعی و کاوش سے یہ اردو ترجمہ "العلم والعلماء" کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے۔ ترجمہ کی شگفتگی، روانی، سلاست اور برجستگی کے لئے مولانا ملیح آبادی کا نام ضمانت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ قدیم اور عصری علوم کے فاضل ہونے کے ساتھ مترجم، مصنف اور انشاء پرداز کی حیثیت سے وسیع شہرت کے مالک ہیں۔ شروع میں تقریباً ۳۰ صفحات پر ملیح آبادی صاحب نے ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں علم کی تاریخ، اس کے مقصد و منشاء، اور اسلام کی علم نوازی، اور اس کی علمی برکات پر گفتگو کی گئی ہے، یہ مقدمہ بجائے خود کار آمد اور قابلِ مطالعہ ہے +

(سید محمد ازہر شاہ قیصر)

بقیہ "علم کی شاہراہ پر چند قدم"

جس کی پیٹھ پر مشک تھی، لپک کے اُٹھالیا، اور میری طرف بڑھایا میں نے اس کے لئے پانچ دینار نکالے، یہ دیکھ کر بوڑھی نے کہا "یہ تو کیا کر رہا ہے"؟ میں نے کہا "عورت کو انعام دینا چاہتا ہوں" بوڑھی نے کہا "جو کچھ تیرے پاس ہو سب دیدے!" میں نے یہی کیا، اور مکے میں پہلی رات بسر کرنے سے پہلے ہی میں مقروض ہو گیا، لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ میرے پاس وہ سب بھیجتے رہے، جو مدینے میں اُنہوں نے مجھے دیا تھا گیارہ برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا، تو حجاز کی سرزمین مجھ پر تنگ ہو گئی، اور میں مصر چلا آیا۔ یہاں خدا نے عبد اللہ بن حکم کو میرے لئے کھڑا کر دیا، وہ میری تمام ضرورتوں کے کفیل ہو گئے۔

یہ ہے میرے سفر کی روداد اے ربیع! تو اسے اچھی طرح سمجھ!

ادبیات

فوز العظیم

نعت حضور خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم و منقبت خلفائے راشدین و اصحاب کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(حضرت روش صدیقی جوالاپوری)

خاکِ درِ ہند و عرب، روم و عجم تیرے ہیں
تشنہ لب آج بھی اے ابرِ کرم تیرے ہیں

شبِ ہجرت، شبِ معراج ہوئی جاتی ہے
تیرے صدیقؓ کی آنکھوں پہ قدم تیرے ہیں

وحیِ محکم سے ہوئی قولِ عمرؓ کی تائید
جانشیں منتخبِ لوح و قلم تیرے ہیں

جن کے فیضان سے عثمانؓ ہوئے ذی النورین
اوّل النورؐ! وہ انوارِ اتم تیرے ہیں

غزوۂ بدر سے، تسخیرِ درِ خیبر تک
دوشِ حیدرؓ پہ جو چمکے وہ علم تیرے ہیں

وہی شفقت، وہی رحمت، وہی عصیاں پوشی،
تیرے پیاروں میں سب اندازِ کرم تیرے ہیں

جن کا وابستۂ دامانِ کرم، کُل عالم
ہاں، وہ وابستۂ دامانِ کرم تیرے ہیں

سایۂ دامنِ رحمت ہے کشادہ سب پر
ہم تو کیا، غیر بھی یا شاہِ اممؐ تیرے ہیں

کس کو حسرت نہیں کونین میں، پابوسی کی،
فرش کیا، عرش پہ بھی نقشِ قدم تیرے ہیں

ہم بُروں پر یہ نوازش، ترے قرباں، آقا!
تُو محبت سے یہ فرمائے کہ ہم تیرے ہیں[1]

کس کی گردن میں نہیں خلقِ حسن کی زنجیر
رند تیرے ہیں، فقیہانِ حرم تیرے ہیں

للہ الحمد، سرافرازِ غلامی ہے روش!
ہم غلاموں پہ عجب لطف و کرم تیرے ہیں

[1] ارشادِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "الطالح لی" کی طرف اشارہ لطیف ۱۲ منہ

حضرت حُسین ابنِ علی کرم اللہ وجہہ

(ابو المجاہد زاہد)

سیدِ عالی مقام واے شہِ کرب و بلا
نیّرِ برجِ شہادت، مشعلِ راہِ ہُدا
چشمۂ حلم و حیا، پروردۂ صبر و رضا
فدیۂ راہِ خدا، کشتۂ جور و جفا
حامیٔ دینِ متین و قبلۂ اہلِ وفا
رہنمائے جادۂ حق پیشوائے اصفیا

السلام اے راکبِ دوشِ رسولِ نامدار
السلام اے فاطمہ زہراؓ کے گلشن کی بہار
السلام اے جوئے عرفاں اے خودی کے آبشار
السلام اے کشورِ فقر و غنا کے شہریار
میں، مرا احساس، میری شاعری، میرا کلام
جھک کے کرتے ہیں ترے سوزِ شہادت کو سلام

تیرا ہر نقشِ قدم شمعِ شبِ تارِ حیات
تیرے خونِ پاک سے گلرنگ رُخسارِ حیات
جاں نثاری سے تری زندہ ہیں اقدارِ حیات
تیرا صبر و ضبط و استقلال معیارِ حیات
آج بھی تاباں ہیں تیری زیست کے زرّیں اصول
سر دیا، لیکن نہ کی سرداریٔ باطل قبول

تیری رودادِ شہادت بالیقین و بے گماں
منزلِ تکمیلِ انسانی کی شمعِ ضوفشاں
سربلندی سرفرازی سروری کی داستاں
بربریت کے صنم خانوں میں گلبانگِ اذاں
کاشفِ سرِّ حقیقت، اے امامِ انقلاب
آج بھی روشن ہے تیری حریت کا آفتاب

بربریت پر اُتر آیا ہے انساں آج بھی
سر اٹھائے ہے یزیدیت کا طوفاں آج بھی
ہر طرف حق ناشناسی ہے نمایاں آج بھی
یوں تو کہنے کو کروڑوں ہیں مسلماں آج بھی
آدمیت پر گھٹا چھائی ہے پھر ادبار کی
پھر زمانے کو ضرورت ہے ترے کردار کی

صلائے عام

(محوی، صدیقی، لکھنوی)

سونے والے اُٹھ کہ ساقی کی صلائے عام ہے — جو یہاں ہشیار ہے وہ مستحقِ جام ہے

کیا اسی بیچارگی کا زندگانی نام ہے — یہ تو اے بیمارِ غفلت موت کا پیغام ہے

ہر گرہ دُشواریوں کی کھول دی ہے سعی نے — سُست کوشی جس نے کی وہ خوار ہے، ناکام ہے

آج تجھ پر ہے خیالِ عیش و راحت بھی حرام — ہوشیار اے مردِ مُسلم کام کا ہنگام ہے

کھول آنکھیں ولولے دل کے نہ ہونے دے خموش — اِس چمن میں عیش و راحت اک خیالِ خام ہے

مردِ میدانِ عمل بن، زندہ رکھ اُمید کو — کامیابی کا یہی ہر جا اُصولِ عام ہے

مُشکلیں کتنی ہی پیش آئیں نہ ہمت ہارنا — محنتوں کے بعد ہی کچھ لذّتِ آرام ہے

وقت کا کیا منتظر ہے، وقت ہے تیرا غلام — کیوں زباں پر شکوۂ بے مہریٔ ایّام ہے

ہے جو فطرت تیری عالی، ہے اگر ہمّت بلند — تیرے ہی دن رات ہیں، تیری ہی صبح و شام ہے

اپنے دل میں گرمیٔ ذوقِ یقیں پیدا تو کر — بزمِ عالم پھر تری ہی تابعِ احکام ہے

آہ وہ عابد اُداسی جس پہ ہو چھائی ہوئی — مرحبا وہ رند جس سے گرم بزمِ جام ہے

ہے حریمِ دوست سے راز آشنا اپنی نگاہ — ہم سمجھتے ہیں جو چشمِ ناز کا پیغام ہے

اپنا دل اور ہو ہجومِ یاس و حرماں کا شکار

مردِ مومن پر یہ محوی ناروا الزام ہے

بنیادی مذہبی تعلیم اور حفاظتِ دین و ملّت کا اہم مسئلہ

ایک تعلیمی کنونشن کی اہمیت و ضرورت

حضرت مولینا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کا ایک ضروری مراسلہ

"حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کی مندرجہ ذیل تحریری یادداشت ہمیں اب سے کافی مدت پہلے ایسے وقت میں ملی تھی کہ ہم اگست اور ستمبر کے رسالہ میں اسے شائع کر سکتے تھے مگر بعض وجوہ سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی تاآنکہ اب ہم موجودہ رسالہ میں اسے شائع کر رہے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں کی بنیادی مذہبی تعلیم اور حفاظت دین و ملت کے اہم مسئلہ پر جو تحریک شروع کی ہے وہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے مسلمانوں کے سارے طبقوں ساری جماعتوں اور سارے مدارس کی فوری توجہ کی مستحق ہے مسلمانوں نے اس مسئلہ کی اہمیت کو نہ پہچانا اور ضرورت کو حل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی ساری طاقتیں سنجیدہ اور سرگرم طریق پر صرف نہ کر دیں تو مستقبل میں نہ صرف مسلمانوں کی تعلیم بلکہ پوری زندگی کے لئے بڑی بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

(مدیر)

ہر ایک انقلاب اپنے ساتھ کچھ نئے مسائل لاتا ہے۔ ۱۵ اگست ۴۷ء کا انقلاب بھی ایک بڑا انقلاب تھا۔ وہ زبردست انقلاب جس نے برطانوی سامراج کے اقتدار کی صفیں لپیٹ دیں جس نے ہندوستان میں بسنے والے چالیس کروڑ انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کیا اور اس طرح کہ اس ملک کے زمین و آسمان کا نقشہ ہی بدل گیا۔

غرض قوانین انقلاب کے ماتحت یہ انقلاب بھی اپنے ساتھ بہت سے مسائل لایا جو آزاد ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں یہ مسائل سیاسی اور اقتصادی بھی ہیں اور مذہبی و ثقافتی بھی۔ وہ سیاسی اور اقتصادی مسائل جو اس انقلاب کا محرک اور داعی بنے یا اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے۔ اس ملک کے تمام بسنے والوں کے مشترک مسائل ہیں اور ایسے مسائل ملک کے تمام فرقوں کے باہمی اشتراک و تعاون ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے تمام مسائل کو کسی مشترک پلیٹ فارم ہی سے حل کرنا چاہئے۔ چنانچہ ملک کی سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے اصول اور طریق کار کے مطابق اُن کے حل میں مصروف ہیں۔

لیکن جن مسائل کا تعلق تہذیب و ثقافت اور مذہب و معاشرت سے ہے چونکہ وہ مسلمانوں کے مخصوص مسائل ہیں مسلمان ہی خاص طور پر اُن کے مسئول ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں ہی کو ان کے حل کی فکر کرنی چاہئے اور اُن ہی کو مخصوص طور پر ان کا ذمہ دار ہونا چاہئے۔

ایسے تمام مسائل جنکا تعلق مسلمانوں کے مذہب اور تہذیب سے ہے اُن میں بنیادی دینی تعلیم کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ قابل توجہ ہے اور اس کا مستحق ہے کہ تمام مسلمان اپنے اندرونی اور جزوی اختلافات سے بالاتر ہو کر پوری سنجیدگی اور ایثار و اخلاص کے مشترک سرمایہ کے ساتھ نہ صرف یہ کہ اس کی طرف توجہ کریں بلکہ اپنی تعمیری صلاحیتوں کو اس خدمت کے لئے وقف کر دیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اسلام صرف چند خیالات یا گنے چنے چند عقائد کا نام نہیں ہے۔ بلکہ عقاید و خیالات کے ساتھ اعمال و افعال

کی بھی ایک دنیا اس سے وابستہ ہے۔ اسلام خدا پرستی کے طریقوں کے ساتھ اخلاق و معاشرت کے ایسے اصول کی بھی تعلیم دیتا ہے جو پُر امن ، سیر چشم ، فراخ حوصلہ تمدن کی بنیاد ڈالتے ہیں اور اگر ان پر صحیح طور سے عمل کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ مسلمان دنیا میں پُر عظمت اور باوقار زندگی کے مالک بن سکتے ہیں بلکہ غور کیا جائے تو تنگ نظری ، خود غرضی ، جارحانہ قوم پرستی اور متعصب قسم کی وطن پرستی کے اُن زہریلے جراثیم سے بھی جن کے مسموم اثرات آج پوری دنیا کو وقف اضطراب کئے ہوئے ہیں عالم انسانی نجات پا سکتا ہے۔ اور انسانیت اُس شرافت و عظمت سے سرفراز ہو سکتی ہے جو قدرت نے اس اشرف المخلوقات کے لئے مقدر کی ہے۔

بہر حال اگر ہم اس بلند نظریہ کے ساتھ (کہ اللہ تعالیٰ نے حاملین قرآن کو پورے عالم اور تمام نوع انسانی کی فلاح و بہبود، تعلیم و تربیت اور اصلاح کے لئے پیدا کیا۔ اور اس لحاظ سے ہر ایک مسلمان کا واقف مذہب اور خود تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے) بنیادی مذہبی تعلیم کی اہمیت کو نہ سمجھ سکیں تب بھی اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر بنیادی مذہبی تعلیم کی طرف آج خاطر خواہ توجہ نہ کی گئی اور بچپن ہی میں بچے کے صاف و سادہ دماغ میں اسلامی اخلاق و اعمال کا نقش نہ جم سکا تو جبری تعلیم کے نفاذ کے بعد (جو کہ عنقریب پورے ملک میں ہونے والا ہے) جبکہ کسی بچے کے لئے اسکول میں مذہبی تعلیم پانا ممکن نہ رہے گا۔ اگر مذہبی بنیادی تعلیم کے بقا و تحفظ کا کوئی ذریعہ نہ نکالا گیا تو ہماری آئندہ نسل پر معاذ اللہ ایسی حالت طاری ہو سکتی ہے کہ اس کو مسلمان کہنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ اور سیکولرزم کے خد و خال کچھ ایسے انداز سے اُبھرینگے کہ اس کا تصور بھی ہمارے دل و دماغ کے لئے وحشت انگیز ہے۔

اس مسئلہ میں خاص نزاکت اس بنا پر اور بھی پیدا ہو گئی ہے کہ ریاست (اسٹیٹ) کے نظریہ سیکولرزم کا مزاج نہ تو اس کی اجازت دیتا ہے کہ حکومت کسی بھی فرقہ کی مذہبی تعلیم کا بوجھ اپنے کاندھوں پر لے اور نہ آج کی دنیا میں اس کے لئے کوئی وجہ جواز پائی جاتی ہے کہ اس بنیاد پر ابتدائی جبری تعلیم کے خلاف کوئی ایجی ٹیشن برپا کر کے کسی خاص فرقہ کو اس سے مستثنیٰ کرا لیا جائے یا اس نظام تعلیم ہی کو ختم کرا دیا جائے۔ کیونکہ ایسا کوئی ایجی ٹیشن یا مطالبہ آج دنیا کے کسی تہذیب یافتہ گوشہ میں معقول نہیں سمجھا جا سکتا۔

علاوہ ازیں جب مشاہدہ یہ ہے کہ جب سے قومی حکومت کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا یعنی ۱۹۳۶ء سے کہ آج تک باوجودیکہ جہالت کے خلاف جنگ کرتے ہوئے تقریباً پندرہ سال ہو گئے ہیں اور حکومت اس پر کروڑہا روپیہ خرچ کر چکی ہے پھر بھی ملک کے کروڑوں بچوں کی ابتدائی تعلیم کا انتظام مکمل نہیں ہو سکا۔ اور اب بھی اربوں روپے کی ضرورت ہے تب کہیں لاکھوں اسکول ملک کے طول و عرض میں قائم ہو سکیں گے جن میں بچے صرف معمولی لکھنا پڑھنا سیکھ سکیں۔ ان حالات میں ہر ایک فرقہ کی مذہبی تعلیم کا انتظام حکومت کے لئے بھی ناممکن العمل ہوگا۔ اور باشندگان ملک بھی وہ مالی مطالبہ برداشت نہ کر سکیں گے جو اس کے لئے حکومت کی جانب سے عائد کیا جائے گا۔

اور اگر بالفرض۔ ان دشواریوں پر عبور حاصل کر کے حکومت مذہبی تعلیم کو جبری بیسک تعلیم کا جزو قرار دے بھی دے تب بھی سوچنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان اس سے کہاں تک مستفید ہو سکیں گے ، بلکہ شاید یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسی تحریک مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لئے مفید ہونے کی بجائے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ غیر مذہبی تعلیم کے نام پر اسکولوں کی پرائمری اور سیکنڈری کتابوں میں ارادی اور غیر ارادی طور پر ایسے مضامین بچوں کے سامنے لائے جا رہے ہیں جو بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ۔ اور صراحتہً نہیں تو اشارۃً ایک خاص فرقہ کے مذہبی معتقدات کو اُبھارتے اور دوسرے فرقے کے مذہبی اعتقادات کے خلاف غمازی کرتے ہیں چنانچہ آئے دن ایسی کتابوں اور ایسے مضامین کی جانب حکومت کو توجہ دلانی پڑتی ہے اور اس کے انسداد کے لئے وقتی طور پر جو کچھ کیا جا سکتا ہے کیا جاتا ہے۔

بہر کیف۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر بنیادی مذہبی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کا انکار آفتاب حقیقت کے انکار کے مرادف ہے ، اور اسلام جو کہ دین فطرت ہے اور حیات بعد الموت کو حقیقی زندگی قرار دیتا ہے فطری طور پر اس کا یہ مطالبہ ہے کہ اس کا تسلیم کرنے والا ”مسلم“ اگر ایک جانب اپنے ملک و وطن کا بہترین شہری ہو تو دوسری جانب توحید الٰہی کا علمبردار اور بندگان خدا کے لئے رحمت اور سچا خدمت گذار بن سکے۔

جمعیۃ علمائے ہند اُن بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود جو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد اس کو پیش آئیں اور جن کی تفصیل سے

آپ بڑی حد تک واقف ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی ابتدائی مذہبی تعلیم کے بنیادی اور تعمیری مسئلہ سے غافل نہیں رہی۔

چنانچہ اس نے بنیادی مذہبی تعلیم کی ترویج و اشاعت اور اس کے لئے پرائیویٹ اور نجی مکاتب و مدارس کا قیام اپنا نصب العین قرار دیا۔ اور جماعت کے ہر ایک ممبر اور معاون کا فرض ٹھرایا کہ وہ اس تحریک میں تندہی سے حصہ لے اور دامے، درمے، قدمے غرض جس طرح ممکن ہو اس مقصد عظیم کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے۔

جمعیۃ علماء ہند نے سب سے پہلے دینی تعلیم کے ایک ایسے نصاب کی ضرورت محسوس کی جس میں عقائد اور عبادات کی تعلیم کے ساتھ سیرت مقدسہ۔ اخلاق۔ آداب معاشرت اور اسلامی تہذیب اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم بھی جامع مستند اور مختصر طور پر ایسے انداز میں سامنے آجائے کہ بچہ اگر صرف ایک گھنٹہ روزانہ صرف کرتا رہے تو پرائمری تعلیم ہی کے پانچ سال میں نہ صرف یہ کہ ان تمام مسائل سے واقف ہوجائے بلکہ اگر اساتذہ توجہ سے کام لیں تو اسلامی تہذیب اور اسلامی اخلاق کا رنگ بھی ایسا پختہ ہوجائے کہ طوفان حوادث کی کوئی بارش بھی اس کو پھیکا نہ کر سکے۔ اور صحیح معنی میں یہ حقیقت روشن ہوجائے کہ مسلمان بچہ اگر ایک طرف دنیوی ابتدائی تعلیم سے مستفید ہے تو دوسری جانب وہ مذہبی بنیادی تعلیم کا بھی سچا حامل اور توحید و خدا پرستی کا علمبردار نظر آتا ہے۔

اسی کے ساتھ مجلس عاملہ کے بہت سے جلسوں۔ مرکزی جمعیۃ اور صوبائی جمعیتوں کی عام نشستوں اور احمد آباد، کانپور اور جے پور کی تعلیمی کانفرنسوں میں جمعیۃ علماء ہند کے اراکین نے اس مسئلہ پر اجمالی اور تفصیلی غور کر کے ضروری تجویزیں پاس کیں اور ان کے مطابق مناسب لائحہ عمل مرتب کیا۔

تھوڑے دن ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم نے مرکزی حکومت کو ایک یادداشت بھی بھیجی ہے جس میں مذہبی بنیادی تعلیم کی مذہبی اور اخلاقی حیثیت پیش کرتے ہوئے اور حکومت کو یہ توجہ دلاتے ہوئے کہ اگر بچے بنیادی مذہبی تعلیم سے ناآشنا رہے تو پورے ملک کی اخلاقی حالت پر اس کا اثر کس درجہ تباہ کن ہوگا۔ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مذہبی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ کتنا اہم ہے۔ اور مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد اس کی پشت پر ہے۔

تعلیمی کنونشن

ان تمام کوششوں کے باوجود بنیادی مذہبی تعلیم کی اہمیت و نزاکت کا تقاضہ یہ تھا کہ جمعیۃ علماء ہند تنہا اس مسئلہ کے لئے "قول فیصل" نہ بنے بلکہ مسلمانوں کی نمایاں جماعتوں، اداروں اور ان قدیم و جدید ماہرین تعلیم کی رائے بھی حاصل کرے جو اگرچہ براہ راست جمعیۃ علماء ہند کے نظام میں شامل نہیں ہیں مگر اس مسئلہ کی اہمیت کے بارے میں اتفاق رکھتے ہیں۔

اس بنا پر جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس بمبئی منعقدہ ۲۸ فروری و یکم مارچ ۵۳ء میں ایک تعلیمی کنونشن بلانے کا فیصلہ کیا تاکہ ہر ایک مکتب خیال کے ماہرین تعلیم ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور غور و خوض کے بعد ایسا لائحہ عمل مرتب کر لیں جو مستقبل میں بنیادی دینی تعلیم اور حفاظت اسلامیات کے لئے مضبوط حصار کا کام دے سکے۔

نشان راہ

قول فیصل اور آخری رائے اس کنونشن کا حق ہوگا۔ تاہم نشان راہ کے طور پر ایسی روشنی ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے جس سے اس مسئلہ کے عملی پہلو سامنے آجائیں۔ جن کو عنوان قرار دیکر ارباب حل و عقد اور اصحاب رائے کوئی قطعی اور آخری فیصلہ صادر کر سکیں۔

اس طرح جب ہم اس کی عملی حیثیت پر نظر کرتے ہیں تو ہمارے سامنے تین صورتیں آتی ہیں۔

(۱) جو غیر سرکاری مکاتب یا مدارس ملک میں قائم ہیں ان کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا جائے کہ وہ اپنی ابتدائی مذہبی تعلیم کے ساتھ قومی بیسک تعلیم کے مضامین بھی اپنے نصاب میں شامل کر لیں اور بعض صوبوں مثلاً اتر پردیش میں سرکاری طور پر اسلامی مکاتب کا جو سلسلہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے ان کا الحاق بدستور باقی رکھا جائے

(۲) حکومت ایسے تمام مکاتب میں جو بیسک تعلیم کے لئے کھولے گئے ہوں ہفتہ [illegible] چند پیریڈ (معین تعلیمی گھنٹے) مذہبی تعلیم کے لئے اس شرط کے ساتھ مقرر کردے کہ [illegible] اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم دلانا چاہے اس پیریڈ میں [illegible] یہ مذہبی تعلیم دلائے یعنی

(الف) مدرس کی تنخواہ۔

(ب) کورس۔ اور

(ج) ان ہر دو امور کے لئے کسی

کی ذمہ داری۔

(۳) اگر حکومت پیریڈ مقرر نہ کرے تو گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، شہر شہر بلکہ محلہ محلہ مذہبی مکاتب کا ایسا جال پھیلا دیا جائے جو بیسک تعلیم سے خارج وقت میں روزانہ ایک گھنٹہ مسلمان بچوں کو تعلیم دے اور نصاب ایسا مقرر کیا جائے جس کے لئے بیسک تعلیم کی مدت یعنی تین یا پانچ سال کے اندر اندر اسی ایک گھنٹہ روزانہ کے محدود وقت میں بچے اسلام کی تمام بنیادی اور ضروری تعلیمات سے واقف ہو جائے۔

درخواست } تعلیمی کنونشن کا مقصد اس کی ضرورت و اہمیت اور اس کا پس منظر پیش کرنے کے بعد سب سے پہلی گذارش یہ ہے کہ جناب والا اس مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کی طرف فوری توجہ مبذول فرمائیں۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ تعلیمی کنونشن کے متعلق جو مشورہ جناب کے خیال میں ضروری ہو اس سے اطلاع بخشیں۔

تیسری گذارش یہ ہے کہ آپ کے شہر یا قصبہ میں جو علم دوست حضرات مسئلہ تعلیم سے دلچسپی کے ساتھ علمی تجربہ بھی رکھتے ہوں، مثلاً کسی مدرسہ کے صدر مدرس یا کسی کالج کے پرنسپل یا پروفیسر ہوں، عنایت فرما کر ان کے مفصل پتہ سے مطلع فرمائیے تاکہ کنونشن کے موقعہ پر مدعو کر کے ان کے مفید اور قیمتی مشورہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ، ناظم عمومی

جمعیۃ علماء ہند، گلی قاسم جان دہلی۔

مورخہ ۳۰ جولائی سنہ ۵۳ء